اسلام اور علم
www.KitaboSunnat.com
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
30/10/2012 18:25

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

اسلام اور علم

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مرتب

عبدالہادی اعظمی ندوی

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی
دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

طبع اول

رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ - اگست ۲۰۱۲ء

کتاب	:	اسلام اور علم
مصنف	:	حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ
ترتیب	:	عبدالہادی اعظمی ندوی
صفحات	:	۱۳۶
تعداد	:	ایک ہزار (۱۰۰۰)
سیٹنگ	:	سید محمد کی حسنی ندوی

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی

☆ مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ ☆ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ الجدیدۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

ناشر :

سیّد احمد شہیدؒ اکیڈمی

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

فہرس

جو علم خدا کے نام کے بغیر ہو وہ انسانیت کی تباہی کا سبب بنے گا

(۳۴-۳۸)

علم کا رشتہ رب کے نام سے جوڑنا ضروری ہے

(۳۹-۴۲)

انسانیت کے زوال کا سبب علم سے اللہ کے نام کا جدا ہونا

(۴۳-۴۹)

ذات الٰہی سے غیر مربوط علم کا نتیجہ

(۵۰-۵۲)

علم اسلام سے اور جہالت جاہلیت سے جڑی ہے

(۵۳-۵۸)

دین وعلم کا دائمی رشتہ اور امت کی ذمہ داری

(۵۹-۶۶)

نبی امی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور علم کی بہار

(۶۷-۷۳)

مسلمانوں کی عمومی تعلیم وتربیت

(۷۴-۸۶)

انسانی علوم کے میدان میں اسلام کا انقلابی و تعمیری کردار

(۸۷-۱۳۲)

ایک اہم مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

علم کی جو سرپرستی اسلام نے کی ہے کوئی دوسرا مذہب اس کا عشر عشیر نہیں پیش کرسکتا، اسلام کا زندہ جاوید معجزہ قرآن مجید ہے، اور اس کی سب سے پہلی آیت میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے دنیا کی تاریخ اس کی گواہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں علم کے کیسے کیسے مراکز قائم کیے اور دنیا کو علم سے بھر دیا، اس دور کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ لوگوں نے علم کی روشنی میں ترقی کے منازل طے کیے، انسانوں کے اندر صحیح انسانیت پیدا ہوئی اور علم و اخلاق کا جو گہرا رشتہ تھا اس میں اور استحکام پیدا ہوا، اس کے آفاق میں اور وسعت پیدا ہوئی اور مسلمانوں نے اس میں ایسی ایسی باریکیاں پیدا کیں جن سے نئے نئے گوشے سامنے آئے۔

پھر اسی علم کو جب یورپ نے سائنس اور ٹکنالوجی کے نام سے آگے بڑھانے کی کوشش کی اور اس میں اس کو بڑی کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں تو اس نے علم کے لیے حدود و قیود متعین کر دیے، اور اسلام نے اس کو جو آفاقیت عطا کی تھی اس کے بالکل برخلاف اس کو خاص رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اعتدال قائم نہیں رہ سکا، علم سے جو حقیقی فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا اس سے دنیا محروم ہوگئی، اور علم کا اخلاق سے جو رشتہ تھا وہ کاٹ دیا گیا، اس کے نتیجہ میں دنیا تباہی کے کنارہ پہنچ گئی، ایک طرف ٹکنالوجی کے سہارے بڑے بڑے ہتھیار تیار کر لیے گئے، ایٹم بم ایجاد ہوگئے، اخلاق و انسانیت کے فقدان کی وجہ سے دنیا تباہی کے کنارہ کھڑی ہوئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علم ایسے ہاتھوں میں گیا جن کے پاس اس سلسلہ کی آسمانی تعلیمات نہیں ہیں، سب سے زیادہ جو مذہب علم بیزار رہا ہے، وہ عیسائیت ہے، یورپ پر ایک دور ایسا گزرا ہے کہ علم حاصل کرنا ان کے مذہب میں جرم تھا، اور علم حاصل

کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں جس کی ایک تاریخ ہے۔

جب یورپ نے علم حاصل کیا تو اس کو اپنے مذہبی اصولوں سے دستبردار ہونا پڑا، علم کے میدان میں تو وہ آگے بڑھتا گیا لیکن اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ ہوتا چلا گیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے یہ بات اپنی تقریروں میں کئی جگہ فرمائی ہے کہ دنیا کے لیے وہ دن منحوس ترین تھا جب علم کی قیادت عیسائی یورپ کے ہاتھ میں آئی۔

حضرت مولاناؒ نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں علم وفکر کے آفاق روشن کیے ہیں، انہوں نے بتایا ہے کہ علم کا اسلام سے کیسا بنیادی اور گہرا رشتہ ہے، اور اسلام نے کس طرح علم کی سرپرستی کی ہے اور اس کے لیے کیسے کیسے راستے ہموار کیے ہیں، اور یورپ نے انسانی دنیا کو کیا نقصان پہنچایا ہے، اس کے اسباب کیا ہیں اور پھر اس کا حل کیا ہے؟! ان موضوعات پر مولاناؒ کی مختلف تصانیف مستقل بھی ہیں اور ان کے علاوہ مولاناؒ کے قدیم مطبوعہ رسائل یا مجلّات میں بھی ان موضوعات پر خاصا مواد موجود ہے، **مركز الإمام أبي الحسن الندوي** کی ذمہ داری تھی کہ وہ ان کو جمع کرانے کا کام انجام دے، مقام سعادت ومسرت ہے کہ مرکز کے رفیق عزیز القدر مولوی عبدالہادی ندوی سلمہ نے اس کا بیڑا اٹھایا، اور اس موضوع پر "علم اور اسلام" کے نام سے یہ کتاب قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ عزیز القدر مولوی محمد نفیس خان ندوی اور عزیز القدر مولوی سید محمد مکی شکریہ ودعا کے مستحق ہیں کہ انہوں نے طباعت کے مراحل سر کیے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مفید بنائے اور فکر وعمل کے دریچے اس سے کھلتے چلے جائیں۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دار عرفات، مركز الإمام أبي الحسن الندوي

۹/ رمضان المبارك ۱۴۳۳ھ

دین وعلم کے درمیان ایک مقدس دائمی رشتہ کا قیام واستحکام ایک کی قسمت کو دوسرے کی قسمت سے وابستہ کرنا

ایک مقدس دائمی رشتے کا قیام

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ابدی احسانات اور آپ کی بعثت ودعوت کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے دین وعلم کے درمیان ایک مقدس دائمی رشتہ ورابطہ پیدا کر دیا، اور ایک دوسرے کے مستقبل اور انجام کو ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا، اور علم کی ایسی عزت افزائی کی اور اس کا ایسا شوق دلایا جس پر کوئی اضافہ نہیں کیا جاسکتا، جس کے طبعی نتیجہ میں اسلامی تاریخ میں ایسی علمی وتصنیفی تحریک پیدا ہوئی کہ دین اور آسمانی پیغام کے تحت قائم ہونے والی تہذیبوں اور دوسرے زمانوں میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں خالق کائنات نے نوع بشری کو علم عطا کرنے کے احسان کا ذکر کیا ہے، اور اس میں قلم کو اس کا عظیم وسیلہ قرار دیا جس سے علم کا تاریخی سفر وابستہ ہے، اور جس سے تصنیف وتالیف کی عالمگیر تحریک جاری ہوئی اور علم ایک فرد سے دوسرے فرد، ایک قوم سے دوسری قوم، ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ اور ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتا رہا، دنیا میں علم کی اشاعت اور انسانی ضرورت کے مطابق اس کی عمومیت کا فخر اسی کو حاصل ہے اور اس کی گردش وجنبش سے مدارس وجامعات اور علمی اداروں اور کتب خانوں کی دنیا آباد ہے۔

جہاں تک بشری قیاسات وقرائن کا تعلق ہے، اس بات کا کوئی تاریخی وعقلی قرینہ نہ

تھا کہ پہلی وحی کے ذیل میں "قلم" کا ذکر بھی آ سکتا ہے، کیونکہ یہ وحی ایک اُمّی انسان پر ایک ان پڑھ قوم کے درمیان اور ایک پسماندہ علاقہ میں نازل ہو رہی تھی، جہاں وہ پارۂ چوب جس کا نام (قلم) ہے، سب سے زیادہ نادر و نایاب شے کی حیثیت رکھتا تھا، اسی لیے عربوں کا لقب ہی (اُمّیّین) پڑ گیا تھا:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ إِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (سورۃ الجمعۃ:۲) "وہی تو ہے جس نے امی لوگوں میں انھیں میں سے ایک پیمبر بھیجا، جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور اُنھیں پاک کرتا ہے، اور اُنھیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے، دراں حالیکہ یہ لوگ پہلے سے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔"

قرآن نے یہودیوں کا قول نقل کیا ہے جو مدینہ میں عربوں کے پڑوسی تھے اور ساتھ رہنے کے سبب ان سے بخوبی واقف تھے، وہ کہتے تھے کہ

﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ﴾ (آل عمران:۷۵) "ہمارے اوپر اُمیوں (ان پڑھ عربوں) کے باب میں کوئی ذمہ داری ہی نہیں۔"

اور اس امت میں بھی وہ رسول (جن پر وحی نازل کی جا رہی تھی) اُمّیت کاملہ سے ممتاز ہوئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْإِيمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَ إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (سورۃ الشوری:۵۲) "اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے، آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان (کیا چیز ہے) لیکن ہم نے اس (قرآن) کو نور بنا دیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہم ہدایت کرتے ہیں، بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ راہ راست ہی کی ہدایت کر رہے ہیں۔"

دوسری جگہ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّا رْتَابَ

الْـمُبْطِلُوْنَ﴾ (سورۃ العنکبوت:٤٨) ''اور آپ تو اس (قرآن) سے قبل نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے، اور نہ اسے (یعنی کوئی کتاب) اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے، ورنہ یہ ناحق شناس لوگ شبہ نکالنے لگتے۔''

ایک غیر متوقع آغاز

غار حرا میں نبی امی پر یہ پہلی وحی اترتی ہے (جبکہ چھ سو سال[1] کے طویل وقفہ کے بعد زمین کا آسمان سے بلکہ آسمان کا زمین سے وحی ونبوت کے ذریعہ رابطہ قائم ہوا تھا) تو اس میں عبادت کا حکم اور اللہ کی معرفت اور اطاعت وغیرہ کوئی ایجابی، یا بتوں کے ترک کرنے یا جاہلیت اور اس کے عادات واطوار پر نکیر جیسی کوئی سلبی بات نہیں کہی گئی، اگرچہ یہ سب باتیں اپنی جگہ پر اہم تھیں اور اپنے اپنے موقع پر ان کی وضاحت وتبلیغ کی گئی، بلکہ کلمہ (اقْـرَأْ) سے اس وحی کا آغاز ہوا:

﴿اِقْـرَأْ بِـاسْـمِ رَبِّكَ الَّـذِيْ خَـلَـقَ٥ خَـلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْـرَمُ٥ الَّـذِيْ عَـلَّـمَ بِـالْـقَـلَـمِ ٥عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ﴾(سورۃ العلق:١-٥)

''آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے، آپ قرآن پڑھا کیجیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی ہے، (جس نے) انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دے دی جنھیں وہ نہیں جانتے تھے۔''

اس طرح یہ تاریخی واقعہ ظہور پذیر ہوا جس نے مؤرخین ومفکرین کے غور وفکر کے لیے نئے اور وسیع آفاق مہیا کیے، اور یہ اس حقیقت کا بلیغ اور واضح اشارہ تھا کہ اس نبی امی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعہ انسانیت اور مذاہب کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہوگا جو وسیع وعمیق معنوں میں قرأت (خواندگی) اور پڑھنے لکھنے کا وسیع وترقی یافتہ دور اور علم کی حکمرانی کا عہد زریں ہوگا، اور علم ودین دونوں مل کر نئی انسانیت کی تشکیل وتکمیل کریں گے۔

(۱) یہ طویل مدت سیدنا عیسیٰ (علیہ وعلیٰ نبینا الصلاۃ والسلام) کی نبوت پر گزری تھی۔

مگر اس (علم و تعلّم) کا آغاز اس نبوت کی آغوش میں اور اس مالک کے نام سے ہوگا جس نے اس کائنات اور انسان کو پیدا کیا ہے، تاکہ وہ اللہ کے یقین اور اس کی صحیح معرفت کے رنگ میں رنگا ہو اور اس کی روشنی و نگرانی میں اپنا سفر جاری رکھ سکے، اس لیے فرمایا:

﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾: ''آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے۔''

اس کے ساتھ انسان اپنی حقیقت اور خلقت کو بھی جانتا ہو، تاکہ اپنی ہستی کو نہ بھولے اور حد سے آگے نہ بڑھے، اور علم و عقل، صنعت و حرفت اور تسخیر کائنات کے سلسلے میں اپنی فتوحات سے دھوکا نہ کھائے، اس لیے فرمایا:

﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾: ''جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔''

پھر قلم کی عزت افزائی کی اور اس کی قدر و قیمت بڑھائی، اور علم و قرأت اور تعلیم و تربیت کے میدان میں اس کے کارنامے کا ذکر کیا، جس کا مکہ اور جزیرۃ العرب میں جاننا آسان نہ تھا، جہاں وہ صرف چند آدمیوں ہی کے پاس تھا،[1] اسی لیے جزیرۃ العرب میں پڑھے لکھے شخص کو ''الکاتب'' کہا جاتا تھا، اسی سیاق میں فرمایا گیا:

﴿الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾: ''جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی۔''

پھر انسان کی اس صلاحیت کی طرف اشارہ کیا گیا کہ وہ دینی و کائناتی حقائق، علوم و صنائع، انکشافات و ایجادات کی جدید ترین معلومات حاصل کرسکتا ہے، اور اپنے علم کے حدود بڑھا سکتا ہے، مگر ان سب کا ماخذ و مصدر تعلیمِ الٰہی اور انسان کی ایسی تخلیق ہے کہ وہ مجہول کو معلوم اور مفقود کو موجود کر سکے، اس لیے فرمایا گیا:

﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ﴾: ''انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دے دی جنھیں وہ نہیں جانتا تھا۔''

---

(۱) قریش میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، جیسا کہ مشہور عرب فاضل ابن عبدربہ اندلسی نے اپنی مشہور کتاب ''العقد الفرید'' میں لکھا ہے، ملاحظہ ہو: ۲۴۲/۴، نیز ''فتوح البلدان'' للبلاذري ص ٤٥٧، بعض لوگوں نے اس سے زیادہ تعداد بھی بتائی ہے، مگر وہ بھی بہرحال محدود ہی ہے۔

دین کے مزاج کا تعین

یہ حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل شدہ پہلی وحی اور سلسلۂ وحی کا نقطۂ آغاز تھا جس کا بعد کے تمام مرحلوں اور اس مزاج کی تعیین میں خاص دخل ہوتا ہے، اور علم وفن، دعوت وتحریک یا مکتب فکر پر حاوی ہوتا ہے، چنانچہ اس دین اسلام اور علم وحکمت کی دائمی رفاقت وہم سفری رہی ہے، اور یہ دین ہمیشہ تحصیل علم کے انسانی جذبہ اور ان نئی مشکلات کے (جونسل وعقل انسانی اور ایک صالح تمدن کو درپیش ہوتی ہیں) حل کرنے کی صلاحیت و قدرت کا ساتھ دیتا رہا ہے، وہ علم سے کبھی بیزار اور عقل کے عمل دخل سے کبھی خائف نہیں ہوا۔

علم وآگہی سے خائف مذاہب

کچھ مذاہب ایسے بھی ہیں جو علم کی موت میں اپنی زندگی اور اس کی شکست میں اپنی فتح محسوس کرتے ہیں، ان کی مثال اس حکایت سے سمجھ میں آتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ایک بار مچھروں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے تیز ہوا کی شکایت کی کہ ہوا ہم پر بہت ظلم ڈھاتی ہے، اور ہم اس کے ہوتے ہوئے موجود نہیں رہ پاتے، اور اس کے چلتے ہی ہم کو بھاگنا پڑتا ہے، اس پر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مدعی علیہ کو حاضر ہونا چاہیے، چنانچہ ہوا کو بلایا گیا، مگر اس کے آتے ہی مچھر غائب ہو گئے، اس پر فرمایا کہ ہم مدعی کی غیر موجودگی میں کیسے فیصلہ کریں؟ یہی حال بہت سے مذاہب کا ہے، ہندوستان کے بعض قدیم مذاہب اور ان کے متعدد پیشواؤں کے طرز عمل بھی اس کی متعدد شہادتیں فراہم کرتے ہیں۔

یورپ میں عیسائی کلیسا اور علم کی نزاع وکشمکش کا قصہ تو بہت مشہور ہے، اور امریکی مصنف ڈریپر کی کتاب Conflict Between Religion & Science تاریخی دستاویزوں پر مشتمل بڑی معلومات افزا کتاب ہے،[۱] یورپ کے قرونِ وسطی میں قائم ہونے والے تفتیشی محکموں اور تحقیقی عدالتوں (Courts of Inquisition) اور کلیسا کے

---

(۱) ملاحظہ ہو: معرکۂ مذہب وسائنس از ڈریپر، ترجمہ مولانا ظفر علی خاں بی۔اے۔ (علیگ) مدیر ''زمیندار'' لاہور

کشتگان ستم کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، ان لرزہ خیز سزاؤں سے - جوان عدالتوں نے تجویز کیں- آج بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

مسیحی اعتقادات کی جانچ کی یہ مذہبی عدالتیں(Courts of Inquisition) جو رومن کیتھولک کلیسا کی جانب سے عہد وسطی میں اٹلی، اسپین، جرمنی اور فرانس میں قائم کی گئی تھیں، الحاد کے الزام میں گرفتار افراد کو سفاکانہ سزائیں دینے کے لیے مشہور تھیں، اسپین میں عربوں کے زوال کے ساتھ ۱۴۹۰ء میں ان عدالتوں کا نظم ونسق حکومت نے سنبھال لیا تھا، سترھویں صدی سے ان کا زوال شروع ہوا، نپولین نے ۱۸۰۸ء میں انھیں فتح کرنے کی کوشش کی لیکن ۱۸۲۰ء میں یہ پھر قائم ہوگئیں، اور ۱۸۳۵ء تک کسی نہ کسی شکل میں چلتی رہیں، یہ کہنا مشکل ہے کہ کُل کتنے لوگ ان عدالتوں کی بھینٹ چڑھے، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔

قرآن نے نازل ہوکر علم کو ایسا عزّ ووقار بخشا اور علماء کی ایسی قدر ومنزلت بڑھائی جس کی سابقہ صحیفوں اور قدیم مذہبوں میں کوئی نظیر نہیں ملتی، اور اس نے علم وعلماء کی ایسی تعریف کی جس کے ذریعہ اس نے انھیں انبیاء (علیہم السلام) کے درجہ کے نیچے اور تمام بشری درجات وطبقات کے اوپر پہنچادیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَ الْمَلَآئِكَةُ وَ أُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (سورۃ آل عمران:۱۸) ''اللہ کی گواہی ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس کے، اور فرشتوں اور اہل علم کی (بھی گواہی یہی ہے)، اور وہ عدل سے انتظام رکھنے والا معبود ہے، کوئی معبود نہیں بجز اس زبردست حکمت والے کے۔''

﴿وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ (سورۃ طه:۱۱۴) ''آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار! بڑھادے میرے علم کو۔''

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (سورۃ الزمر:۹) ''آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بے علم کہیں برابر بھی ہوتے ہیں؟''

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ (سورۃ المجادلة:۱۱) ''اللہ تم میں ایمان والوں کے اور ان کے جنھیں علم عطا ہوا ہے، درجے بلند کرے گا۔''

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (سورۃ فاطر:۲۸) ''اللہ سے

ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو علم والے ہیں۔"

حدیث نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ چند اقوال کافی ہیں:

(فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ) (۱): "عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ انسان پر ہے۔"

(إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَ إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَاراً وَّ لَا دِرْهَمًا، وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ) (۲) "علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیائے کرام نے دینار و درہم نہیں بلکہ یہ علم ہی میراث میں چھوڑا ہے، تو جس نے اسے حاصل کیا، اس نے بڑا حصہ پایا۔"

علم کی اس قدر افزائی اور ترغیب کے نتیجہ میں تاریخ اسلام میں ایسا علمی نشاط بلکہ ایسا جوش و جذبہ اور علم کے لیے فدائیت و فنائیت کا ولولہ پیدا ہوا جس کے نتیجے میں اس عالمی وابدی علمی تحریک نے سب سے بڑی زمانی و مکانی مسافت طے کی، اور اس کی معنوی مسافت تو ان دونوں سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ (۳)

مشہور فرنچ مصنف ڈاکٹر لیبان اپنی مشہور کتاب (تمدنِ عرب) میں لکھتا ہے:

> "عربوں نے جو مستعدی تحصیل علم میں ظاہر کی، وہ فی الواقع حیرت انگیز ہے، اس خاص امر میں بہت سی اقوام ان کے برابر ہوئی ہیں، لیکن بمشکل کوئی ان سے بازی لے جاسکی، جب وہ کسی شہر کو لیتے تو

---

(۱) رواه الترمذي في جامعه، أبواب العلم، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة (رقم ۲۶۸۵) وقال: هذا حديث حسن غريب صحيح

(۲) أخرجه أبوداود في سننه (رقم ۳٦٤۱) و الترمذي في جامعه (۲٦۸۲)

(۳) ان مسافتوں اور علمی موضوعات کے تنوع کو جاننے کے لیے ان کتابوں سے رجوع کریں جو مختلف زبانوں میں علمائے اسلام کی کتابوں کے تذکرے پر مشتمل ہیں، بطور مثال چند کا ذکر کیا جاتا ہے: الفهرست: ابن ندیم، کشف الظنون: حاجی خلیفہ چلپی، معجم المصنفین: علامہ محمود ٹونکی، (یہ کتاب ساٹھ جلدوں میں بیس ہزار صفحات اور چالیس ہزار مصنفین کے حالات کو محیط ہے)، الثقافة الإسلامية في الهند: مولانا سید عبدالحی حسنی (طبع دمشق)، تاريخ الأدب العربي: بروکلمان، تاريخ التراث العربي: فواد سزگین وغیرہ

ان کا پہلا کام وہاں مسجد اور مدرسہ بنانا ہوا کرتا، بڑے شہروں میں ان کے مدارس ہمیشہ بکثرت ہوتے تھے۔

بنجمن دلی تودیل جو ۱۱۷۳ء میں مرا ہے، بیان کرتا ہے کہ اس نے اسکندریہ میں بیس مدرسے دیکھے۔

علاوہ عام مدارس تعلیمی کے بغداد، قاہرہ، طلیطلہ، قرطبہ وغیرہ بڑے شہروں میں دار العلوم تھے، جن میں علمی تحقیقات کے کارخانے، رصد خانے، عظیم الشان کتب خانے، غرض کل مصالح علمی تحقیقات کا موجود تھا، صرف اندلس میں ستر عام کتب خانے تھے۔

مؤرخین عرب کے اقوال کے بموجب الحاکم ثانی کے کتب خانہ میں جو قرطبہ میں تھا، چھ لاکھ جلدیں تھیں، جن میں سے چوالیس جلدوں میں صرف فہرست کتب تھی، اس کے متعلق کسی نے بہت درست کہا ہے کہ چار سو برس بعد جب چارلس عاقل نے فرانس کے شاہی کتب خانہ کی بناڈالی، تو وہ نو سو جلدوں سے زیادہ نہ جمع کر سکے، اور ان میں سے کتب مذہبی کی ایک پوری الماری بھی نہ تھی۔"(۱)

علمی منتشر اکائیوں میں وحدت وربط

علم کے صحیح مقصد کی طرف رہنمائی اور اسے مثبت تعمیری ومفید اور ذریعۂ یقین بنانے کے سلسلے میں بعثت محمدی اور دعوت اسلامی کے رول کی اس سے زیادہ اہمیت اور قدر و قیمت ہے جو اس نے علمی تحریک کی فعالیت ووسعت کے سلسلے میں ادا کیا ہے۔

علم کی کڑیاں بکھری ہوئی بلکہ بسا اوقات متضاد تھیں، علم طبعیات وحکمت دین سے برسر پیکار تھے، حتی کہ ریاضی وطب جیسے معصوم علم کے ماہرین بھی بعض اوقات سلبی والحادی نتیجے نکالتے تھے، چنانچہ یونان کے علماء (جنھوں نے کئی صدیوں تک فلسفہ وریاضیات میں اپنا

(۱) تمدن عرب، اردو ترجمہ از سید علی بلگرامی ص ۳۹۹-۳۹۸

امتیاز قائم رکھا تھا) یا تو مشرک تھے یا ملحد تھے، اور یونان کے علوم اور مدارس فکر دین کے لیے خطرہ اور ملحدین کے لیے سند اور نمونہ بنے ہوئے تھے، اس صورت حال میں یہ اسلام کا بڑا احسان تھا کہ اس نے ایسی وحدت قائم کی جو تمام علمی اکائیوں کو مربوط کر دیتی تھی، اور اس کے لیے ایسا کرنا اس لیے آسان ہو سکا کہ اس کا علمی سفر صحیح نقطۂ آغاز (Starting Point) سے ہوا تھا، اس نے اسے اللہ پر ایمان، اس سے مدد طلبی اور اس پر اعتماد کے ذریعہ اور ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ کی تعمیل میں شروع کیا تھا، اور آغاز کی صحت اکثر اوقات انجام کی صحت و خیریت کی ضمانت ہو جاتی ہے، اسلام نے قرآن و ایمان کے فیض و فضل سے ایسی وحدت کا انکشاف کیا جو تمام وحدتوں کو مربوط کر دیتی ہے، اور وہ وحدت اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت ہے، جس کے بارے میں اللہ نے اپنے مومن بندوں کی تعریف کی ہے:

﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورة آل عمران: ۱۹۱) ”اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ (سب) لایعنی نہیں پیدا کیا ہے، تو پاک ہے، سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔“

زمانۂ ماسبق میں کائناتی وحدتیں (یعنی اس کے مظاہر اور حوادث و تغیرات) انسان کو متضاد نظر آتے اور اسے حیرت و اضطراب میں ڈالتے تھے، اور کبھی کفر و الحاد اور خالق عالم اور مدبر کائنات کے اوپر طعن و اعتراض تک پہنچا دیتے تھے، اسے دیکھتے ہوئے ایمان و قرآن پر مبنی ”اسلامی علم“ نے دنیا کو ایسی وحدت عطا کی جو کائناتی وحدتوں کو جمع کر دیتی ہے، اور وہ اللہ کا غالب ارادہ اور اس کی حکمت کاملہ ہے۔

ایک جرمن فاضل ہیرالڈ ہوفڈنگ (Harold Hofding) اس وحدت کی دریافت اور انسانی زندگی اور علم و اخلاق کے تاریخی سفر میں اس کے مؤثر کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ”ہر مذہب کا ایمان توحید پر ہے، جس کا نظریہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے کی علت وجود ایک ہی ہے، (اس فکر سے لازمی طور پر پیش آنے والی مشکلات سے قطع نظر) یہ ایمان و اعتقاد فطرت انسانی پر بڑا

مفید اور اہم اثر مرتب کرتا ہے، اور اس کے ماننے والوں کے لیے یہ عقیدہ رکھنا آسان ہو جاتا ہے کہ (بعض اختلافات و تفضیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے) عالم کی تمام چیزیں ایک قانونی وحدت میں منسلک ہیں، کیونکہ علت کی وحدت، قانون کی وحدت کا بھی تقاضا کرتی ہے۔

ازمنۂ وسطیٰ کے دینی فلسفہ نے کثرت میں وحدت کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا، جس سے غیر مہذب انسان طبعی مظاہر کی کثرت کے سبب اس سے غافل تھا، اور اس کثرت کے مشاہدہ میں اس لیے غلطاں و پیچاں رہتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں ان میں ربط ذاتی پیدا کرنے کا کوئی سر رشتہ نہ تھا۔"(۱)

اس طرح علم با مقصد، مفید، اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ بن گیا، اور اس نے اپنی کوشش انسانیت کی خدمت اور تمدن و معاشرہ کی سعادت کے لیے وقف کر دی، اور یہ طرزِ فکر انسانی فکر و عمل کی دنیا پر سب سے بڑا احسان تھا، جس نے انسانیت کی قسمت بدل دی اور فکرِ انسانی کا رخ تبدیل کر دیا، مغربی علماء نے بھی علوم و فنون اور انسانی فکر پر قرآن کے اس احسان کا ذکر کیا ہے، ہم ان میں سے یہاں دو گواہیوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

مشہور مستشرق مارگولیتھ (G. Margoliouth) جو اسلام کے خلاف اپنے تعصب کے لیے مشہور ہے، راڈول (J.M.Rodwell) کے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

"دنیا کے عظیم مذہبی صحیفوں میں قرآن ایک اہم مقام رکھتا ہے، حالانکہ اس قسم کی تاریخ ساز تحریروں میں اس کی عمر سب سے کم ہے، مگر انسان پر حیرت انگیز اثر ڈالنے میں وہ کسی سے پیچھے نہیں ہے، اس نے ایک نئی انسانی فکر پیدا کی اور ایک نئے اخلاق کی بنیاد ڈالی۔"(۲)

(۱) History of Modern Philosophy, p:5

(۲) [Rev. G.Margoliouth's in Introduction to The Koran, By J.M. Rodwell, London (1918)

ایک اور مستشرق (Hartwig Hirschfeld) لکھتا ہے:

''ہم کو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ قرآن علوم کا سرچشمہ ہے، آسمان، زمین، انسانی زندگی، تجارت وحرفت جن کا اس میں ذکر کیا گیا ہے، ان پر متعدد کتابوں یا تفسیروں میں روشنی ڈالی گئی، اور ان پر بحث و مباحثہ کا دروازہ کھلا، اور مسلمانوں میں بالواسطہ مختلف علوم کی ترقی کا راستہ ہموار ہوا، اس نے صرف عربوں ہی پر اثر نہیں ڈالا، بلکہ یہودی فلاسفہ کو بھی اس پر آمادہ کیا کہ وہ مذہبی و مابعد الطبیعی مسائل پر عربوں کی پیروی کریں، اور آخر کار عیسائی علم کلام کو عرب الٰہیات سے جس طرح فائدہ پہنچا، اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

روحانیت کے میدان میں اسلام کی کوشش مذہبیات تک محدود نہیں رہی، یونانی فلکیات اور طبی تحریروں سے واقفیت نے ان علوم کی طرف متوجہ کیا، حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ دنیا کو جو وحی ملی، اس میں اجسام فلکیہ کے گردش کرنے کا ذکر ان کی عبادت کے لیے نہیں، بلکہ اللہ کی نشانی اور انسان کی خدمت کے طور پر کیا گیا ہے، تمام مسلم اقوام نے فلکیات کا بڑی کامیابی کے ساتھ مطالعہ کیا، صدیوں تک وہی اس علم کے حامل رہے، اور آج بھی اکثر ستاروں کے عربی نام اور متعلقہ الفاظ مستعمل ہیں، یورپ میں عہد وسطیٰ کے ماہرین فلکیات عربوں کے شاگرد تھے۔

اسی طرح قرآن نے طبی علوم کی تحصیل کی ہمت افزائی کی، اور عمومی طور پر فطرت کے مطالعہ اور غور وفکر کی جانب توجہ مبذول کی۔''(۱)(۲)

---

(۱) Hartwig Hirschfeld, New Researches Into Composition & Exegesis of The Quran, London, (1902), p:9

(۲) ماخوذ از: تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، ص:۹۴ تا ۱۰۹۔

علم اور اسم الٰہی کا باہمی ربط

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين و خاتم النبيين محمد و آله و صحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان و دعا بدعوتهم إلى يوم الدين، أما بعد! فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم
﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (سورة العلق: ۱ - ۵)

میں نے آپ کے سامنے سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں پڑھی ہیں، میں کہا کرتا ہوں اور میں نے اس سے پہلے بھی کئی بار کہا ہے، اور بڑے بڑے دانشوروں کے جلسوں میں کہا، پروفیسروں کے جلسوں میں اور ایجوکیشن کانفرنسوں میں کہا کہ غار حراء میں سید الرسل اور خاتم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) پر جو پہلی وحی نازل ہوئی، اس سے پہلے اگر دنیا کے دانشور کہیں جمع کیے جاتے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان سے تارے توڑ کر لے آتے ہیں، اور بال کی کھال نکالتے ہیں، اور بڑی بڑی پہیلیاں بوجھتے ہیں، اگر ان کو جمع کیا جاتا اور کہا جاتا کہ اے فاضلو! اے دانشورو! ذرا یہ بتاؤ کہ ایک ایسے ملک میں کہ جو ان پڑھ ہے، ناخواندہ ہے، Illiterate ہے، اور جس کو اسی نام سے یاد کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ یہودی کہتے تھے: ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ﴾ (سورة آل عمران: ۷۵)، اور وہ کیا کہتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ (سورة الجمعة: ۲) 'وہ پاک ذات جس نے اُمّیوں میں انہیں میں کا ایک رسول بنا کر بھیجا' تو جس ملک کا خطاب، جس ملک کا مشترک وصف ہو، پورے ملک کا مشترک وصف اور نمایاں وصف جو کہ عنوان بنتا ہے، نام بنتا ہے، اور لقب بن جاتا ہے، وہ اُمّی ہے، اَن پڑھ ملک میں،

اَن پڑھ قوم کے اندر، ایک ناخواندگی کے زمانے اور عہد میں کہ اگر مکہ مکرمہ میں قلم ڈھونڈھا جاتا تو بڑی مشکل سے اور بڑی تلاش کے بعد شاید تین چار قلم مل سکتے، ان حضرات کے نام آتے ہیں جو پڑھے ہوئے تھے، ورقہ بن نوفل وغیرہ کے، وہ انجیل وغیرہ پڑھ لیتے تھے، تو قلم وغیرہ ڈھونڈھے جاتے تو شاید تین چار قلم سے زیادہ نہ ملتے، اور وہاں کوئی کتب خانہ نہیں، کوئی درسگاہ نہیں، اور عرصہ سے وہاں کوئی نبی بھی نہیں آیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بہت دنوں سے یہاں انذار کا سلسلہ، ڈرانے کا سلسلہ، ہدایت کا سلسلہ بھی نہیں پہنچا، اور اس کو پہلا پیغام ملنے والا ہے خدا کی طرف سے، خالق کائنات کی طرف سے، اور خود ان کے خالق کی طرف سے، اور ہادی مطلق اور ہادی انسانیت کی طرف سے، تو آپ یہ بتائیے کہ وہ کیا ہوگا؟ ذہن کیا کہتا ہے؟ قیاس کیا کہتا ہے کہ وہ پہلی آیتیں کیا ہوں؟ ان پہلے الفاظ میں کس چیز کی تلقین کی جائے گی اور کیا حقیقت بیان کی جائے گی؟

تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر دنیا کے صدہا کی تعداد میں بھی ایسے دانشور اور ایسے دور کی کوڑی لانے والے اور پہیلی بجھانے والے جمع ہوتے، تو ان میں سے ایک بھی یہ نہ کہتا کہ اس پہلی وحی میں 'قرأت' کا لفظ آئے گا، پڑھنے کا لفظ آئے گا، اس لیے کہ نہ فضا اس کے لیے تیار ہے، نہ کان اس کے مشتاق ہیں، نہ یہ چیز وہاں مانوس ہے، عقیدہ کی بات کہی جائے گی، ہدایت کی بات کہی جائے گی، بت پرستی کو چھوڑنے کی بات کی جائے گی، خدا سے ڈرنے کی بات کہی جائے گی، لیکن آپ سب کو معلوم ہے اور یہاں بڑے بڑے علمائے کرام بیٹھے ہوئے ہیں، اور جو تفسیر وحدیث کا درس دیتے ہیں، اور سیرت نبوی پر بھی ان کی نظر ہے کہ وہ پہلی وحی جو نازل ہوتی ہے، اس کا پہلا لفظ ہے: ﴿اِقْرَاْ﴾ پڑھو۔

اس امت کا آغاز علم سے ہوا

تو معلوم ہوا کہ اس امت کا آغاز علم سے، علم صحیح سے ہونا ہے، اور علم صحیح سے ہی صحیح آغاز ہوتا ہے، اور اس میں بھی نبی امی پر پہلی وحی جو نازل ہوتی ہے، اس کا آغاز ہوتا ہے: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ 'پڑھیے اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا'،

اس میں جو خاص چیز ہے وہ یہ ہے کہ علم و اسم کا جوڑ ہے، وہ علم معتبر علم ہے، وہ علم علم نافع ہے، وہی علم معمار ہے، معمار انسانیت ہے، وہی علم ہادی کائنات ہے، ہادی خلق ہے، وہی علم ضلالتوں سے، جہالتوں سے، وحشتوں سے، مظالم سے، سفاکیوں سے، نفس پرستی سے، اور مادہ پرستی سے نکالنے والا ہے کہ جو اللہ کے نام کے ساتھ مقرون ہو، اور وہ اللہ کے نام کے ساتھ ملا رہے، وہی علم معتبر ہے، علم ہی وہ علم ہے جو اسم رب کے ساتھ ہو، جو بسم اللہ سے شروع ہو، اتنی بات تو ہم آپ جانتے ہیں کہ بسم اللہ سے شروع ہونا چاہیے، جب بسم اللہ ہوتی ہے، تسمیہ خوانی ہوتی ہے، تو بسم اللہ کہہ کر بچے سے کہا جاتا ہے کہو: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، 'میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے'، اور پھر اسے پڑھایا جاتا ہے، یہ تو ہماری زبان میں داخل ہے، ہمارے عرف میں داخل ہے کہ ہر کام بسم اللہ سے شروع ہونا چاہیے، لیکن یہ ایک اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک تنبیہ کیا معنیٰ، ایک دنیا کو چونکا دینے والی چیز تھی، اور دنیا کو محو حیرت بنا دینے والی چیز تھی کہ نبی امی پر، اُمت اُمّیہ کے درمیان اور بلا د امیت کے درمیان جو پہلی وحی نازل ہو رہی ہے، وہ شروع ہوتی ہے اِقْـرَأْ سے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ قرأت، وہ پڑھنا جو ہو، رب کے نام کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

علم اور اسم میں جدائی کا نتیجہ

میں نے یہ بات یورپ کے بعض دانش کدوں میں، بعض یونیورسٹیوں کے بالکل شامیانے کے نیچے اوران کے جوار میں، بلکہ ان کے در و دیوار کے درمیان یہ بات کہی کہ آج ساری دنیا میں جو اس وقت گمراہی پھیلی ہوئی ہے، اور دنیا اس وقت بالکل ہلاکت کے اور تباہی کے بالکل منھ میں آ گئی ہے، اور لگتا ہے کہ کسی وقت بھی بجلی گرنے والی ہے، اور انسانیت کو ختم کر دینے کا فیصلہ ہونے والا ہے، خدا کی طرف سے، خالق انسانیت کی طرف سے، اس کی وجہ یہ ہے کہ علم اور اسم میں جدائی ہوگئی، علم ہے لیکن اسم رب کے بغیر ہے، یہ آج آپ جو کچھ دیکھ رہے ہیں، سائنس کی ترقیاں اور یہ اسٹمک انرجی اور یہ تباہ کن آلات اور ایسی چیزیں کہ جو منٹ کے منٹ کیا، سیکنڈوں میں پورے پورے شہر کو نیست و نابود کر سکتی

ہیں، جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکہ نے جو بم گرایا، آپ اس کی تفصیلات پڑھیے، پچھلے اخباروں کے فائلوں میں یا پچھلی تاریخ میں، کہ ایک بم تھا، اور شہر کی شہر تباہ ہو گیا، اور آج بھی اس کا خطرہ ہے کہ کسی وقت بھی ایک تیسری جنگ چھڑ جائے، لیکن وہ دو جنگیں اس تیسری جنگ کے مقابلہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، وہ قابل ذکر ہی نہیں ہوں گی، اس لیے کہ ان دونوں جنگوں کے موقع پر بھی ایسے آلات اور مہلک ہتھیار ایجاد نہیں ہوئے تھے جیسے اب ایجاد ہو گئے ہیں، یہ سب کس کی کرشمہ سازی ہے؟ کس کا نتیجہ ہے؟

یہ نتیجہ ہے جس پر یورپ نے آج بھی غور نہیں کیا، اور ہم نے وہاں ان کے سامنے یہ بات اسی لیے کہی، ان کو دعوت فکر دی، کہ یہ سب نتیجہ اس کا ہے کہ علم اور اسم میں جدائی ہو گئی، علم ہے لیکن اسم رب نہیں ہے، سارا پڑھنا لکھنا، ساری تحقیقات، ساری ایجادات، ساری ذہانتیں، ٹیلنٹس (Talents)، ذکاوت اور جو ہر جو اللہ نے عطا فرمائے ہیں، اور محنتیں اور تجربہ گاہیں یہ سب کی سب چیزیں اللہ کے نام کے بغیر ہیں، اللہ کے نام سے نہ شروع ہوں، نہ اللہ کے نام پر ختم ہوں، بلکہ حقیقت میں اللہ کے نام کے مقابلہ میں، اللہ کے نام سے بغاوت پر ان کی بنیاد ہے، اللہ کے نام کے انکار پر ان کی بنیاد ہے، اللہ کے نام کی تحقیر پر ان کی بنیاد ہے، اللہ کے نام کی تضحیک پر ان کی بنیاد ہے۔

اعجاز قرآنی

اسی لیے آج ساری کائنات، ساری نوع انسانی اور ساری دنیا کی آبادی اس وقت خطرے کے بالکل دہانے پر کھڑی ہوئی ہے، ایک ایسے غار کے دہانے پر کھڑی ہوئی ہے جس میں گرنے کے بعد پھر دوبارہ اس کو زندگی نہیں مل سکتی، تو یہ اعجاز قرآنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی امی پر جو اپنی پہلی وحی نازل فرمائی، وہ ان لفظوں کے ساتھ فرمائی: ﴿اِقْرَاْ﴾ لیکن ﴿اِقْـرَاْ﴾ یوں نہیں، پڑھنے والے اس وقت بھی بہت تھے، آپ دیکھیں گے تو یہودیوں اور عیسائیوں میں پڑھنے لکھنے والوں کی کوئی کمی نہ تھی، بڑے بڑے احبار اور رہبان تھے، اور بڑے بڑے ان کے عالم تھے، اور بڑے بڑے دانا اور فرزانہ اور ذہین لوگ تھے، آپ اگر

اس وقت شام کی تاریخ پڑھیں، آپ گبن کی تاریخ (The History of Decline & Fall of Roman Empire) پڑھیں، آپ (History of European Morals) پڑھیں، آپ مغربی مصنفین کے قلم سے لکھی ہوئی یورپ کی تاریخ پڑھیں، یا ساسانی تاریخ پڑھیں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ علم کے دریا بہہ رہے تھے، اور علم کے وہاں خزانے لگے ہوئے تھے، کتب خانے بھی تھے، کتابیں بھی لکھی جارہی تھیں، لیکن اسم رب سے جدائی ہوگئی تھی، علم میں اور اسم میں فصل پیدا ہو گیا تھا، اس کا نتیجہ یہ نکلا، نکل رہا ہے کہ دنیا روز بروز خطرے سے قریب ہورہی ہے، اور خودکشی پر آمادہ ہے، یعنی کہا جائے کہ نوع انسانی خودکشی کرنا چاہتی ہے، یہ سب نتیجہ ہے اسم رب سے جدائی کا۔

اسم الٰہی کا سایہ

اللہ تعالیٰ نے اس علم کی تلقین فرمائی ہے اور اس علم کو احسان بتایا ہے، احسان کے طور پر اس کا ذکر فرمایا ہے، اور اس امت کی بنیاد علم پر رکھی ہے قیامت تک کے لیے، جو اسم کے ساتھ مربوط ہو، جو اس سے جدا نہ ہو، علم اور اسم دونوں ساتھ چلیں، بلکہ علم اسم کے سایہ میں ہو، جب تک علم اسم کے سایہ میں ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاک ناموں کے سایہ میں ہوگا، اسی وقت تک وہ علم فائدہ مند ہے۔

اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہر نام ایک پیغام رکھتا ہے، ہر نام ایک علم کا خزانہ رکھتا ہے، علم کا خزانہ کیا، سمندر رکھتا ہے، اور سمندر کی بھی کیا حیثیت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کسی نام کو لے لیجیے، اس پر غور کرنے کے لیے، اس کی وسعتوں کو سمجھنے کے لیے، اس کی گہرائیوں کے سمجھنے کے لیے، اس کی کارفرمائیوں کو سمجھنے کے لیے، اور اس کی حیات بخشیوں کو سمجھنے کے لیے سال دو سال نہیں، پوری عمر بھی کافی نہیں ہے، وہ ایک ایک اسم جو ہے وہ کتب خانہ نہیں، بلکہ ایک پوری دنیا، اور دنیا سے بڑھ کر کے ہے، اللہ کے ہر نام، اس کے ننانوے نام، جن میں سے بہت سے آپ کو یاد ہوں گے، اگر آپ اس میں غور کریں، اور اس کے اسمائے حسنیٰ کی شرح وتفسیر میں جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں اگر آپ غور کریں، تو

آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک اسم کے معنی کیا ہے؟ رب میں کیا کیا ہے؟ رحیم میں کیا کیا ہے؟ اور حکیم میں کیا کیا ہے؟ عزیز میں کیا کیا ہے؟ خالق میں کیا کیا ہے؟ رؤوف میں کیا کیا ہے؟ اور اسی طریقے سے سارے اسمائے حسنیٰ ہیں۔

علم اللہ کا بہت بڑا انعام واحسان ہے

ہم سب اپنے بچوں کی بسم اللہ اسی سورۂ علق سے کراتے ہیں، لیکن بہت کم لوگوں کو شاید غور کرنے کا موقع ملا ہو، میں کوئی فخر کی بات نہیں کہتا، نہ کسی کی تحقیر کرتا ہوں، لیکن جب کوئی چیز رواج میں آجاتی ہے، تو اس پر غور کرنے کا پھر رواج نہیں رہتا، جیسے ابھی ہمارے عزیز سلمان نے بتایا کہ مسجد جانے کے لیے ایک دعا ہے: اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، اور باہر نکلنے کی ایک دعا ہے: اَللّٰھُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ، حتیٰ کہ بیت الخلاء جانے کے لیے ایک دعا ہے: اَللّٰھُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الرِّجْسِ النَّجِسِ، وَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ، وَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، اور باہر نکلنے کی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذٰى وَ عَافَانِيْ، یہ سب ہیں، لیکن چونکہ یہ دن رات کی ضرورتیں ہیں، کتنے آدمی ہیں جو جانتے ہیں، اور کتنے آدمی ہیں جو جانتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں؟ تو قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز زندگی میں داخل ہو جاتی ہے، اور اضطراری بن جاتی ہے، اور وہ ایک طبعی امر بن جاتی ہے، تو اس کے ساتھ تفکر اور تدبر اور اس کے متعلق جو احکام ہیں، وہ نَسْياً مَنْسِيّاً ہو جاتے ہیں۔

تو ہم بچوں کو بسم اللہ اسی سورت سے کراتے ہیں، لیکن کتنے آدمی ہیں جنھوں نے سوچا کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کیوں فرمارہا ہے: ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾، ’پڑھیے لیکن اپنے اس پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھیے جس نے پیدا کیا، اور پھر اس کے بعد یہ فرمادیا: ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾، اس میں بھی ایک بہت بڑی حکمت ہے کہ اس پڑھنے کے ساتھ مغرور نہیں ہونا چاہیے، پڑھ کر یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم عالم بن گئے، ہم بڑے دانشور بن گئے، ہم صاحب علم بن گئے، ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾، یہاں انسان کی بہت ہی تعریفیں کی جاسکتی تھیں، وہ اشرف المخلوقات ہے، کوئی شبہ

نہیں، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا مورد اور مقام ہے، اور ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (سورة الضحى: ١١)، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا انسانوں پر اپنے انعامات گنائے ہیں، لیکن یہاں پر بجائے ایسی چیز کے بیان کرنے کے جس سے انسان کے اندر خود اعتمادی پیدا بلکہ خود پسندی پیدا ہو، اور غرور پیدا ہو۔ جس نے آج یورپ کو، امریکہ کو، نئی دنیا کو، مغربی دنیا کو، اور جس کے ہاتھ میں اس وقت فکری قیادت ہے، اور سائنسی قیادت ہے، اور سب قیادتیں ہیں، اس کو جس نے اس انسانیت کی تباہی کے راستے پر، انسانیت کشی کے راستہ پر ڈال دیا ہے، وہ ہے اس کا اپنی قابلیت کا احساس کرنا، اپنی معلومات پر ناز کرنا، یہ نہیں رہا کہ وہ سوچے کہ ﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ پڑھو اپنے رب کے نام سے، لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ اس نے انسان کو پیدا کیا، مِنْ عَلَقٍ، خون کے ایک لوتھڑے سے، تو کبھی اس علم کے پڑھنے کے بعد غرور نہ کرنا، کبھی یہ نہ سمجھنا کہ ہم آسمان پر پہنچ گئے، ہم ستاروں تک پہنچ گئے، لوگ ستاروں تک پہنچے ہیں اور تصویریں لی ہیں، اور سب کچھ ہے، لیکن ﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ اپنی جگہ پر ہے، وہ حقیقت ہے، ابتدا یہاں سے ہوتی ہے، پھر چاہے وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے، چاہے ستاروں تک پہنچے، لیکن ہے وہ انسان، جو کہ خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا گیا ہے، اور یہی انسان کو علم کے ساتھ اور حصول کمال کے ساتھ اور طاقتوں کے حصول کے ساتھ اور بہت سے عناصر جو ہیں، کائنات میں جو طاقتیں ہیں، طبعی طاقتیں ہیں، فضائی طاقتیں ہیں، ان سب پر قابو پانے کے بعد بھی جو چیز انسان کو بچا سکتی ہے، وہ اس کی خود شناسی ہے، اپنی حقیقت کو پہچاننا ہے، میں جو کچھ کرلوں، چاہے ستاروں تک پہنچوں، اور چاہے میں ایٹم بم بناؤں، اور چاہے میں ایک منٹ میں شہر کے شہر کو تباہ کردوں، مگر میں وہ ہوں ﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ جب علم کے ساتھ یہ دونوں چیزیں ہوں گی، اور میں آگے بڑھ کر کہتا ہوں نظام تعلیم کے ساتھ خدا کا نام ہوگا، اور یہ ہوگا کہ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ وہ ہمارا خالق ہے، اور یہ کہ جس نے انسان کو خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا، ایک طرف اپنی حقیقت واضح ہوگی، ایک طرف خدا کا یہ احسان کہ اس علم کا رشتہ، اس علم کا یہ سلسلہ منتہی ہوتا ہے ارادۂ الٰہی پر اور انعام الٰہی پر، اور اللہ تعالیٰ نے یہ علم عطا کیا ہے، یہ ہم اپنے ماں

کے پیٹ سے نہیں لائے ہیں، محض اپنے تجربات سے اور اپنی ذہانت سے نہیں پیدا کیا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی دین ہے، جس نے کہ ﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾۔

﴿اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ﴾ پڑھیے، لیکن آپ کا پروردگار 'اَلْأَكْرَمُ' ہے، یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفت بیان کی، سب میں ایک ایک لفظ معجزہ ہے، اگر آپ اس پورے سلسلے پر غور کریں، تو معلوم ہو کہ (یہ ایک سلسلۃ الذہب کہنا توہین ہے) یہ سارے کے سارا معجزات کا ایک مجموعہ ہے، ایک لفظ بھی اس میں زائد نہیں، ایک لفظ بھی اس میں بے محل نہیں، ایک لفظ بھی اس میں خلاف واقعہ نہیں، بلکہ ہر لفظ میں علاج ہے، ہر لفظ میں حفاظت کا سامان ہے، ہر لفظ میں کائنات اور نوع انسانی کے وجود کی ضمانت ہے، ہر لفظ میں انسانی ذہن کی رہنمائی کا سامان موجود ہے، ایک لفظ زائد نہیں، نہ عربی کے لحاظ سے، نہ معنوی لحاظ سے۔

﴿اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ﴾ پڑھیے اور آپ کا پروردگار 'اَلْأَكْرَمُ' ہے، آپ کا علم جو ہے، اے یونیورسٹی میں تعلیم پانے والو! اے پڑھانے والے پروفیسرو! اے اسکالرس، یورپ کے اور امریکہ کے بڑے سے بڑے اسکالرس، اور بڑے سے بڑے مصنفین اور فن تعلیم پر کتابیں لکھنے والو! اس کو کبھی نہ بھولنا کہ ﴿وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ﴾ تمہارا رب 'اکرم' ہے، تم 'لئیم' نہ بنو، جب تمہارا رب اکرم ہے، تو تم انسانوں کے حق میں لئیم نہ بنو، اس لیے کہ 'اکرم' سے علم حاصل کر کے 'اَلْأَم' بن جانا، سب سے کمینہ بن جانا، یہ نعمت کی سب سے بڑی ناشکری ہے۔

پورے نظامِ تعلیم میں کرم کا عنصر شامل ہونا چاہیے

تو اللہ نے اپنی صفات میں بھی ان صفات کا انتخاب کیا ہے کہ جو تعلیم دینے والی ہیں، اور جو رفاقت کرنے والی ہیں اس پورے علمی سفر میں، تجرباتی سفر میں، انکشافی سفر میں، سائنسی سفر میں، تحقیقی سفر میں، وہ قدم قدم پر وہ حفاظت کرنے والی ہیں، اور آج یورپ کی بلکہ دنیا کی بدقسمتی یہ ہے کہ علم ہے لیکن اسم نہیں ہے، علم ہے لیکن اپنی حقیقت کا علم نہیں ہے کہ ہم 'مِنْ عَلَقٍ'، عَلَق سے پیدا کیے گئے ہیں، آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہم نے اینٹمک انرجی معلوم کی، اور ہم نے یہ انکشافات کیے، اور میں تو خدا کی (اگر خدا پر ایمان رکھتا ہے) سب سے اونچی مخلوق ہوں، وہ

اپنے آغاز کو بھول جاتا ہے، اور جہاں آدمی اپنے آغاز کو بھولا، اور اس نے ٹھوکر کھائی۔

تو اس کے بعد فرماتا ہے: ﴿وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ﴾، اپنی صفتوں میں سے اَلْاَقْدَر کہہ سکتا تھا، اَعَز بھی کہہ سکتا تھا، اور کتنے نام ہیں، خود اسمائے حسنیٰ میں ایسے نام ہیں جو خدا کی قوت، اس کی الٰہی طاقت کو، اور اس کی وسعت علم کو، اور اس کی قدرتِ کُنْ فَیَکُوْنُ کو بیان کر سکتے تھے، لیکن یہاں پر ﴿الْأَكْرَمُ﴾ کا لفظ استعمال کیا، تاکہ انسان کے اس علمی سفر میں، اور تحقیقات کے سفر میں، انسانوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں، اور انتظام مملکت میں، اور تعمیر انسانیت کے کام میں، خدا کا 'اکرم' ہونا پیش نظر رہے، جب خدا 'اکرم' ہے اور اس نے یہ علم عطا کیا ہے، تو ہمارے اندر بھی 'کرم' ہونا چاہیے، ہم 'اکرم' کی مخلوق ہیں، 'اکرم' کے پیدا کیے ہوئے ہیں، اور 'اکرم' ہی کے پڑھائے ہوئے ہیں، اور 'اکرم' ہی کے سکھائے ہوئے ہیں۔

اس لیے ہمارے پورے علم کے نظام میں، ہمارے پورے نظام تعلیم میں، نظام تربیت میں، نظام اخلاق میں، ہمارے نظام فکر میں کرم کا عنصر شامل ہونا چاہیے، آج ساری بدقسمتی یہ ہے کہ یورپ سے جو نظام تعلیم آیا، اس میں کرم کا عنصر نہیں، اس میں لوم کا عنصر ہے، اس میں ظلم کا عنصر ہے، بہیمیت کا عنصر ہے، سَبُعیت کا، درندگی کا عنصر ہے، تعمیر نہیں ہے، تخریب ہے، انسان دوستی نہیں، انسان دشمنی ہے، تو یہ پوری آیت گویا ایک تعلیم کی بنیاد اور اسلامی تعلیم کا تخیل پیش کرتی ہے، اس آیت میں اس علم کا مزاج بتایا گیا ہے جو خدا کی طرف سے دیا گیا ہے، یعنی صحیح بات یہ ہے کہ اس سے اس علم کا مزاج معلوم ہوتا ہے، جو خدا کی طرف سے پیغمبروں کے ذریعے سے ملتا ہے۔

اس لیے یہ مدارس اسلامیہ، مکاتب اسلامیہ جو قائم کیے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ جیسے عزیز گرامی مولوی سلمان نے کہا کہ اسکول، یہ پرائمری اسکول، اور ہائی اسکول وغیرہ بھی جو قائم کیے جائیں، وہ سب بے شک قائم ہوں، ان کے جواز میں کوئی شک نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اسم رب کے ساتھ ہوں، یعنی وہاں پر چاہے اس کے لوگو (Logo) میں نہ لکھا جائے، لیکن پڑھانے والوں کے دل پر لکھا ہوا ہو، اور پڑھنے والوں کی نگاہوں کے سامنے ہو کہ خدا کے نام کے ساتھ ہمیں اپنا یہ علمی سفر شروع کرنا چاہیے، یہ علمی سفر بسم اللہ سے

شروع کرنا چاہیے، یہ ہم آپ سب جانتے ہیں، ہماری زبان کا محاورہ ہے، جو کام کرو بسم اللہ سے کرو، اللہ کے نام سے کرو، لیکن نظام تعلیم میں آ کر اور جتنا وہ اونچا ہوتا جاتا ہے اتنی ہی یہ حقیقت فراموش ہوتی جاتی ہے کہ یہ سب خدا کے نام سے ہونا چاہیے، خدا کی ہدایت کے مطابق ہونا چاہیے، خدا کے احسانات کو مانتے ہوئے، جانتے ہوئے، اور سمجھتے ہوئے، اس کا شکر ادا کرتے ہوئے ہونا چاہیے، اور ہمیں اپنی نوع انسانی، انسانی برادری کے معاملہ میں کریم ہونا چاہیے، کریم النفس ہونا چاہیے، لئیم النفس نہیں ہونا چاہیے، ہمیں درندہ صفت نہیں ہونا چاہیے، ہمیں رحم دل ہونا چاہیے، خیر خواہِ انسانیت ہونا چاہیے، بہی خواہِ انسانیت ہونا چاہیے۔

بس اس طرح جب اس نیت کے ساتھ، اور اس فکر کے ساتھ، اور اس آغاز کے ساتھ مدرسے قائم کیے جائیں گے، اور وہ قائم ہوں گے، تو ان سے تخریب کا اندیشہ نہیں، ان سے ضلالت کا اندیشہ نہیں، ان سے ہدایت کی امید ہے، اور ایسے تعلیم یافتہ عناصر فرزندوں کے نکلنے کی امید ہے کہ جو خدا سے بھی ڈریں گے، اور انسان سے محبت کریں گے، اور وہ تعمیری ذہن رکھتے ہوں گے، اور وہ بہی خواہ انسانیت ہوں گے، خادم انسایت ہوں گے، دولت ان کا معبود نہیں ہوگی، عزت ان کا معبود نہیں ہوگی، حکومت ان کا معبود و مقصود نہیں ہوگی، ان کا مقصود اللہ کی رضا ہوگی، اور نبی کی خوشنودی اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنا ہوگا، اللہ ہم کو آپ کو سب کو توفیق عطا فرمائے۔[1]

---

(۱) منصور پور (مظفر نگر) میں ایک مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر ۳۱/ مارچ ۱۹۹۴ء کو کی گئی تقریر، یہ تقریر قلمبند کرنے کے بعد اب شائع کی جارہی ہے۔

جو علم خدا کے نام کے بغیر ہوگا
وہ انسانیت کی تباہی کا سبب بنے گا

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ - بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ٥ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ﴾ (سورة العلق: ١-٥)

بزرگو، دوستو اور بھائیو! ابھی ہم نے آپ کے سامنے جو آیتیں پڑھی ہیں وہ سورۂ اِقرأ کی آیتیں ہیں، عرصہ سے دستور چلا آرہا ہے کہ جب تسمیہ خوانی بچہ کی ہوتی ہے تو اسی آیت کو پڑھایا جاتا ہے، ابھی تھوڑی دیر پہلے اس مدرسہ کی عمارت کے افتتاح میں ایک بچی کو مندرجہ بالا آیت پڑھا کر آرہا ہوں، میں آپ کے سامنے اس سلسلہ میں کچھ حقیقتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

رب کے نام کے ساتھ تعلیم و تعلم

حضرات! یہ بات بڑے سوچنے اور غور کرنے کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اشارے اور الہام سے نبوت کا منصب جب ملنے والا تھا، اس وقت حالات کے تقاضے، مکہ مکرمہ، جزیرۃ العرب اور ساری دنیا کے حالات کو دیکھ کر جو تڑپ آپ کے اندر پیدا ہوئی، اور پھر اس سوچ، بے چینی اور فکر نے آپ کو غار حراء میں کئی کئی دن عبادت کرنے پر مجبور کر دیا، اور جب اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پانچ سو سال بعد پہلی مرتبہ آسمان کا زمین سے وحی کے ذریعہ پہلا تعلق قائم ہو رہا ہے، اس وقت

اگر تمام دنیا کے ذہین ترین دانشوروں، مفکروں، معلموں، فلسفیوں اور جینیس ترین انسانوں سے کہا جاتا کہ آپ غور وفکر کر کے بتائیے کہ پانچ سو سال بعد پہلی مرتبہ وحی آنے والی ہے، ایسے موقع پر اس دنیا کو کیا پیغام ملنے والا ہے؟ اس کو کس بات کی تعلیم دی جانے والی ہے؟ آپ کے سامنے ساری دنیا کے حالات ہیں، پوری نوع انسانی کی بیماری، اس کی جہالت، ناسمجھی، خالق کائنات سے ناواقفیت، کروڑوں معبودوں کی پرستش ہو رہی ہے، تمام لوگوں پر گویا شرک کا شامیانہ سا تنا ہوا ہے، یہ وحی ایسے ملک میں نازل ہو رہی ہے جو ناخواندہ ہے، جس پر یہ وحی نازل ہو رہی ہے وہ خود بھی ناخواندہ اور اُمی ہے، اس کی پوری قوم اَن پڑھ ہے، یہودیوں نے بھی ان کو اُمیین کے لقب سے پکارا ہے اور کہا ہے: ﴿لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِي الۡأُمِّيِّـۧنَ سَبِيلٞ﴾ (آل عمران: ۷۵) ، اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمی کے لقب سے نوازا ہے جو آپ کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے، ایسے موقع پر ذہن ترین انسان بھی یہ پیشین گوئی نہیں کر سکتے تھے کہ پہلی وحی میں "اِقۡرَأۡ" علم اور قلم کا تذکرہ ہوگا، اس لیے کہ پورے مکہ مکرمہ میں بڑی مشکل سے تلاش بسیار کے بعد بھی شاید دو چار قلم مل سکتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو وہ آپ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جن کے متعلق اس وقت کہا جاتا تھا کہ وہ لکھتے پڑھتے تھے، گویا یہ بڑا کارنامہ تھا کہ وہ پڑھے لکھے تھے، ایسے ناخواندہ ماحول میں ایک اُمی پر وحی کا جو پہلا لفظ نازل ہوتا ہے، وہ "اِقۡرَأۡ" کا لفظ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اب جو دور آنے والا ہے وہ پڑھنے لکھنے کا دور آنے والا ہے، علم اور قلم کا عہد شروع ہونے والا ہے، لیکن صرف پڑھنا کافی نہیں کہ بعض اوقات صرف پڑھنے نے زہر کا کام کیا ہے، اس پڑھنے نے فکری غارت گری، انسانی غارت گری اور وحشت و بربریت سکھائی ہے، جنگوں کا طریقہ سکھایا ہے، ہزاروں، لاکھوں انسانوں کو ایٹم بم اور زہریلی گیس کے ذریعہ مارنے اور انسانی آبادی کو تہس نہس کرنے کا طریقہ سکھلایا ہے، علم کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس سے انسانیت کی تباہی و بربادی کے بہت سے کام لیے گئے، اب بھی سائنس اور ٹکنالوجی سے انسانوں کو تباہ و برباد کرنے کا

کام لیا جا رہا ہے، اس لیے خالی علم معتبر نہیں، یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے، اس نے پہلا لفظ ''اِقْرَأْ'' کہا، آپ پڑھیے، اب پڑھنے کی ضرورت ہے، علم کو دنیا میں پھیلنا چاہیے، علم صحیح، علم توحید، علم ربانی، علم اخلاق، علم خودشناسی وخداشناسی، جس علم میں یہ نہ ہوں وہ علم معتبر نہیں، آج دنیا میں جو تباہی و بربادی آرہی ہے، یہ انسان کشی ہی نہیں، قوموں کی قومیں اور ملکوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے جو ایٹم بم ایجاد ہوئے ہیں، جرائم کے لیے جو ایجادات ہورہی ہیں، وہ سب اس علم کا کارنامہ ہے جو خدا کے نام کے بغیر ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ ''اِقْرَأْ'' کے ساتھ یہ شرط لگاتا ہے کہ اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیے گا جب اس علم کا فائدہ ہوگا۔

علم تخریب کا ذریعہ کیوں بنا؟

میں تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے آپ سے کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں انصاف کے ساتھ تاریخ لکھی جائے اور یہ تحقیق کی جائے کہ علم نے کب اپنا راستہ بدلا؟ وہ کب تعمیر کے بجائے تخریب کا ذریعہ بنا؟ تو ایک منصف آدمی یہ بتائے گا کہ جب سے علم کا رشتہ خالق اور مالک اور رب کائنات سے ختم ہوگیا، جب ہی سے یہ تباہی و بربادی آئی، جو علم اللہ کے نام سے الگ ہوکر چلا وہ قابل اعتبار نہیں رہا، اس علم سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے، تو پہلی بات تو یہ معلوم ہو کہ ہمارا خالق کون ہے، ہمارا مالک اور پالن ہار کون ہے؟ بڑے بڑے دانشوروں، معلموں اور فلسفیوں کو جب یہ نہیں معلوم کہ ان کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ نیکی اور بدی میں کیا فرق ہے؟ ہمارا خالق ہم سے کیا چاہتا ہے؟ وہ ہمیں کس راستہ پر لگانا چاہتا ہے؟ وہ ہمیں کون سا عقیدہ دیتا ہے؟ اس کائنات، عام انسانوں اور اس دنیا اور اس کے انجام کے متعلق اور اپنی ذات کے متعلق ہمارا کیا طرز عمل ہونا چاہیے؟ جب ان بنیادی سوالات کا صحیح علم نہ ہو تو پھر اس علم کا فائدہ کیا؟ ہم کو یہ تو معلوم ہو کہ اس زہر میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ایک منٹ میں سیکڑوں انسانوں کو تباہ و برباد کرسکتا ہے، لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ ہمارا پیدا کرنے والا کون ہے؟ ہماری صلاحیتیں اور ارادے سب اس کے قبضے میں ہیں، وہ عالم الغیب ہے، تو اس علم کا کوئی فائدہ نہیں۔

قرآن مجید کہتا ہے: پڑھیے اپنے اُس رب کے نام سے جس نے انسان کو پیدا کیا خون کے ایک لوتھڑے سے، جس انسان کو اللہ تعالی نے خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا وہ انسان کس طرح اپنی حقیقت کو فراموش کر کے غرور وتکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور پھر خوں ریزی اور جبر وتشدد کا بازار گرم کر دیتا ہے، آج انسان اپنی حقیقت بھولتا جا رہا ہے، آج یورپ وامریکہ اس حقیقت کو بھولتے جا رہے ہیں، ہمارا ہندوستان بھی اب اس حقیقت کو بھولتا جا رہا ہے، حالانکہ یہاں اس کے جاننے کے ذرائع جتنے پہلے تھے، اتنے اب بھی ہیں، پھر جب اسلام آیا تو گھر گھر یہ بات پھیل گئی۔ ﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾۔

امت کا رشتہ قلم کے ساتھ مربوط ہے

آپ دیکھیے کہ اس امت نے تھوڑی سی مدت میں کتنے بڑے بڑے کتب خانے قائم کر دیے، یورپ کے بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس درجنوں کی تعداد میں بھی کتابیں نہیں تھیں، لیکن جب سے مسلمانوں میں کتب خانوں کا رواج ہوا تو ہر فن میں انھوں نے ہزاروں اور لاکھوں کتابیں تیار کر کے پوری دنیا میں پھیلا دیں، یہ سب قلم اور علم کی بدولت ہوا، پہلی وحی نے یہ بتا دیا کہ اب علم اور قلم کا دور شروع ہونے والا ہے اور اس امت کا رشتہ قلم کے ساتھ قائم رہے گا، ہزاروں انقلابات آئیں گے لیکن مسلمانوں کا رشتہ قلم سے کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔

ہندوستان ہی کو دیکھ لیجیے، مسلمانوں میں کتنے بڑے بڑے مصنفین اور مفکرین پیدا ہوئے، حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ شرف الدین یحیی منیریؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، پھر اردو ادب وشاعری کی تاریخ میں علامہ اقبالؔ جیسے شاعر وفلسفی ومبصر ومفکر کو دیکھ لیجیے کہ دنیا ان کے کلام پر سر دھن رہی ہے۔

بغیر علم کے مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا

حضرات! آج پوری کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کا مخصوص کلچر ختم ہو جائے، علم سے ان کا رشتہ ٹوٹ جائے، اردو سے وہ ناواقف رہیں، اپنے مخصوص عقیدے اور اسلامی

تہذیب سے ان کا واسطہ ختم ہو جائے، اس کی پوری تیاری کر لی گئی ہے کہ مسلمان فکری و اعتقادی اور تہذیبی ارتداد میں مبتلا ہو جائیں، اس کا پورا منصوبہ تیار ہے، ایسے سنگین حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان جگہ جگہ مکاتب و مدارس قائم کریں، محلوں اور مساجد میں صباحی وشبینہ مکاتب قائم کیے جائیں، یہ امت محمدی (ﷺ) ہے، علم اور قلم سے اس کا رشتہ جوڑ دیا گیا ہے، بغیر علم کے مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا، قرآن و حدیث علم کے ذریعہ ہمیں جو حقائق بتائے گئے ہیں، ان کے جانے بغیر یہ دین نہیں رہ سکتا، بعض مذاہب اور ان کے پیشوا چاہتے ہیں کہ علم پھیلنے نہ پائے کہ علم میں ان کو اپنی موت نظر آتی ہے، اس کی مثال میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں اس واقعہ سے دیا کرتا ہوں جس میں کہا گیا ہے کہ ایک بار مچھروں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں مقدمہ دائر کیا کہ ہوا کی وجہ سے ہم کو پریشانی ہوتی ہے، اور ہم کہیں ٹھہر نہیں پاتے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہوا کو حاضر کیا جائے، جب ہوا دربار میں حاضر ہوئی تو مچھر اڑ گئے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ جب تک مدعی نہ ہو اس وقت تک فیصلہ نہیں ہو سکتا، یہی حال علم کا ہے کہ جب تک علم صحیح نہ ہو گا اس وقت تک یہ دین باقی نہیں رہے گا۔

حضرات! اب ہمارا اور آپ کا بنیادی کام یہ ہے کہ علم دین کو پھیلانے کے لیے یا مسلمانوں کو مسلمان باقی رکھنے کے لیے، آئندہ نسلوں کے دین اور عقیدے اور تہذیب اور اسلامی تشخص کی حفاظت اور بقاء کے لیے بڑے پیمانے پر دینی مکاتب اور مدارس قائم کریں، اپنے بچوں کو کفر و ایمان کا فرق بتائیں، شرک و بت پرستی کی شناعت ان کے دل و دماغ میں بٹھا دیں، اور اس بات کی ضمانت حاصل کریں کہ ہمارے بچے آئندہ اسلام پر قائم رہیں گے۔ [1]

(۱) مدرسہ ہدایت العلوم، صحبتیا باغ (لکھنؤ) کی نئی عمارت کے افتتاح کے موقع پر کی گئی ایک تقریر، ماخوذ از پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ (شمارہ ۲۵ رجولائی ۱۹۹۳ء)۔

علم کا رشتہ

رب کے نام سے جوڑنا ضروری ہے

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ﴾ (سورة العلق: ۱-۵)

امت کی قسمت علم سے وابستہ ہے

میرے بھائیو اور دوستو!

میں نے اس مدرسہ کی مناسبت سے آپ کے سامنے یہ آیتیں پڑھی ہیں، بڑے سوچنے کی بات ہے کہ جب کوئی چیز سامنے سے بار بار گزرتی رہتی ہے، خواہ وہ کوئی عمارت ہو، خواہ کوئی درخت ہو، خواہ کوئی تختہ آویزاں ہو، یا کوئی چیز بھی ہو، آدمی توجہ نہیں کرتا، گزر جاتا ہے، اس میں سوچنے کی بات ہے کہ پانچ سو برس کے بعد تقریباً آسمان کا رشتہ وحی کے ذریعہ سے، پیغام ربانی کے ذریعہ سے، اور ایک نئے دین کی شکل میں زمین سے قائم ہو رہا ہے، اور حضرت مسیح سیدنا عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو زمین سے آسمان پر گئے ہوئے پانچ سو برس سے زائد گزر گئے ہیں، اب اس کے بعد انسانیت کو اللہ کی طرف سے ایک نیا پیغام مل رہا ہے، اگر اس وقت کے بڑے بڑے دانشوروں سے، بڑے بڑے انٹلکچول (Intellectual) اور بڑے بڑے اہل دماغ سے پوچھا جاتا کہ یہ بتائیے کہ آسمان سے اہل زمین کے نام پیغام آنے والا ہے، اس میں کیا کہا جائے گا؟ تو لوگ کہتے کہ عقائد کی بات ہوگی، ایمانیات کی بات ہوگی، عبادات کی بات ہوگی، اس میں باہمی تعلقات کی بات ہوگی، لیکن کسی کا ذہن اس

طرف نہ جاتا کہ ایک ایسے ملک میں جہاں قلم ڈھونڈھنے سے ملتا، میں ایک عربی زبان کے طالب علم اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ اگر مکہ معظمہ میں ڈھونڈھا جاتا تو اس وقت شاید تین چار قلم سے زیادہ نہ دیکھنے کو ملتے، اور یہ قوم جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا، آخری زمانہ تک کے لیے، ساری دنیا کے لیے وہ قوم ان پڑھ کے نام سے، Illiterate کے نام سے مشہور تھی، چنانچہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے: ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ﴾ (سورۃ آل عمران:۷۵) ان عربوں کے ساتھ جو معاملہ کرو، مارو، پیٹو، جو چیز چھین لو، کوئی گناہ نہیں، کوئی پکڑ نہیں، یہ سب ان پڑھ ہیں، یہ جانوروں کی طرح ہیں، کوئی بیل کو مارے، کوئی بکری کو ہانک کرلے جائے، یا اس کو کوئی تکلیف پہنچائے، کوئی مؤاخذہ نہیں ہے، اور خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ وہ جس نے ان پڑھوں میں اپنا ایک رسول بھیجا، اور ایک ان پڑھ قوم سے کیا کہا جائے گا؟ کیا کیا لوگ سوچتے اور کیا کیا کہتے، پہیلیاں بجھاتے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو شروع کیا "اِقْرَأْ" کے لفظ سے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس امت کا دامن علم سے قیامت تک کے لیے باندھ دیا گیا ہے، اس امت کی قسمت علم سے وابستہ کی گئی ہے، اور کبھی اس علم سے اس کا رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا، کوئی ملک ہو، کوئی زمانہ ہو، کوئی تہذیب ہو، کوئی فتح ہو، لیکن یہ امت جہاں بھی ہے، مسلمان جہاں بھی رہتے ہیں، ان کو پڑھنے کی ضرورت ہے، اپنے بچوں کو پڑھانے کی ضرورت ہے، مدرسوں کو قائم کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ یہی ہوا کہ اس امت نے علم کی ایسی خدمت کی ہے اور ایسے کتب خانے تیار کردیے ہیں کہ ایک بڑی تعداد میں اور ایک بڑی مقدار میں موجود ہیں، اور دنیا کے اندر خود مغربی مؤرخین نے اعتراف کیا ہے کہ اس قسم کے مدارس کا سلسلہ کبھی کسی قوم میں نہیں رہا، اور ایسی کتابوں کا ذخیرہ بھی کوئی قوم نہیں پیش کرسکتی ہے، پہلی وحی ربانی جو نازل ہوئی اس میں کہا گیا کہ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ پڑھو، خطاب کس کو ہے؟ خود نبی امی کو، جو خود پڑھے ہوئے نہیں ہیں، ﴿اِقْرَأْ﴾ پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھیے جس نے پیدا کیا، اس وقت موقع نہیں ہے ورنہ میں تاریخ کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے بتاتا کہ دنیا میں فساد اس

وقت آیا جب سے علم کا رشتہ اسم سے ٹوٹ گیا۔

علم اور اسم

اللہ تعالیٰ نے علم اور اسم کو جوڑ دیا ہے، لہذا علم کو بسم اللہ سے شروع ہونا چاہیے، یعنی علم کو، کتاب کو، مدرسہ کی تعلیم کو، بسم اللہ سے شروع ہونا چاہیے، اور اس وقت سے دنیا میں علم بجائے فائدہ پہنچانے کے نقصان پہنچا رہا ہے، جب سے اس کا رشتہ اللہ کے نام سے ٹوٹ گیا اور دوسری چیزوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا، طاقت کے ساتھ، سیاست کے ساتھ، شہرت کے ساتھ، دولت کے ساتھ، عزت کے ساتھ، ناموری کے ساتھ، اس وقت سے علم میں برکت نہیں رہی، تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی سے فرماتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ! پڑھیے لیکن اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیے، اگر رب کے نام کو چھوڑ کر آپ نے پڑھا، یا اور کسی نے پڑھا تو اس کو فائدہ نہیں پہنچے گا، ﴿بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ اس میں ایک ایک جملہ، ایک ایک لفظ جو ہے وہ وحی کا لفظ ہے اور حکمتوں سے بھرا ہوا ہے، پڑھیے ﴿بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھیے، لیکن اپنی ہستی نہ بھولیے، یہ نہ بھولیے کہ آپ ہیں کون؟ آج دنیا میں جو کچھ فساد ہے، آج یورپ اور امریکا بڑے پڑھے لکھے ملک ہیں، لیکن ان کے علم سے فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، بلکہ نقصان پہنچ رہا ہے، اس لیے کہ وہ اپنی ہستی کو بھول گئے، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو پہاڑوں پر چڑھ جاتے ہیں، ہم تو ہوا میں اڑتے ہیں، اور پانی پر چلتے ہیں، اس کی وجہ سے ان کے علم کا رشتہ اسم سے ٹوٹ گیا، ان کا رشتہ اپنے خالق سے ٹوٹ گیا، اب علم میں کوئی برکت نہیں، آپ وہاں جا کر دیکھیے، بڑا علم ہے، بڑے بڑے پریس اور بہت بڑے بڑے نشر و اشاعت کے ذرائع ہیں، لیکن ہدایت نہیں ہے، خدا کی صحیح معرفت نہیں ہے، خدا کا خوف نہیں ہے، بقول فلسفی کہ ایک شخص نے کتاب لکھی ہے، جس میں لکھا ہے کہ ہندوستان سے ایک فلسفی صاحب آئے تو وہاں کے ایک شخص نے ان سے کہا: دیکھیے صاحب! ہم تو ہوا میں اڑنے لگے ہیں، اتنی دیر میں ہم فلاں جگہ

پہنچ جاتے ہیں، ہم پانی پر چلنے لگے ہیں اور ہم بے خوف وخطر سمندری سفر بھی کر لیتے ہیں، فلسفی نے جواب دیا: مگر زمین پر آدمیوں کی طرح چلنا کبھی نہیں آیا۔

بغیر اسم کے علم ظلمت ہے

تو آخری بات یہی ہے کہ جو لفظ ہے وہ بالکل معجزہ ہے، وحی ہے، پڑھیے مگر اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیے، بغیر اللہ کے نام کے اگر آپ پڑھیں گے اور اللہ کو خالق اور رازق سمجھے بغیر پڑھیں گے، تو اس علم سے فائدہ نہیں ہوگا، اس سے نور نہیں پھیلے گا، ظلمت پھیلے گی، اس سے اپنی ہستی کو مت بھولیے گا، آج تمام کالجوں اور یونیورسٹیوں میں یہی ہو رہا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے اونچے لوگ ہیں، بڑی اونچی مخلوق ہیں، بڑے ذہین ہیں، لیکن قرآن کہتا ہے کہ ﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ اللہ نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے، تمہارا رب تو بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا، تو قلم کی بھی بہت بڑی اہمیت بتائی گئی، تو یہ سب مدرسے قلم ہی سے چل رہے ہیں، قلم سے لکھنے کے بعد ہی کوئی چیز پڑھی جاتی ہے اور پڑھائی جاتی ہے۔

اس سے زیادہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے، آپ بہت سن چکے ہیں، اسی لیے ہم اس دعا پر اپنی تقریر کو ختم کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کی بنیاد اس جنگل میں ڈال رہا ہے، اللہ اس جنگل کو منگل نہیں، اس جنگل کو جمعہ بنا دے، اللہ تعالیٰ یہاں سے ہدایت پھیلائے، نور پھیلائے، اپنا علم پھیلائے، اپنے نبی کی محبت کا فیض پھیلائے، اور شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔!!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَ تُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ (۱)

---

(۱) ۷ ارجون ۱۹۹۶ء کو ٹاؤن لکوریا (بنگلور) میں جامعہ اسلامیہ، دارارقم کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے کی گئی ایک تقریر، ماخوذ از پندرہ روزہ "تعمیر حیات"، لکھنؤ (شمارہ ۲۵ رنومبر ۱۹۹۶ء)۔

انسانیت کے زوال کا سبب

علم سے اللہ کے نام کا جدا ہونا

حضرات! میرے لیے یہ خوشگوار اور مسرت بخش انکشاف ہوا کہ میں اس موقع پر آج یہاں حاضر ہوا، مجھے بتایا گیا کہ اس گنہگار کے ہاتھوں سے جس عمارت کی بنیاد رکھی گئی تھی، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے بعد یہ بنیاد اتنی بلند ہوگی اور ایسی وسیع ہوگی جو اس وقت ہمارے اور آپ کے سامنے ہے، اس وقت میں اپنے عزیز رفقاء اور ساتھیوں کو مبارکباد دیتا ہوں۔

دنیا خطرہ سے دوچار کیوں؟

بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ اس میں جو روح کام کر رہی ہے، وہ حقیقت پسندی، تعمیری ذہن اور ملی تقاضوں کو پورا کرنے کا جذبہ ہے، علوم کے پیدا ہونے اور پھیلنے اور ترقی اور پھلنے پھولنے کے باوجود اس وقت دنیا خطرہ سے دوچار ہے، اور وہ خطرہ ایسا ہے کہ جس طرح سے تلوار لٹک رہی ہو کسی کے سر پر، عالم انسانی پر، آج ساری مالی ترقیات اور جدید ترین انکشافات کے باوجود پوری انسانیت جو خطرے میں ہے، اس کا راز یہ ہے کہ خدا نے علم کو اسم کے ساتھ جوڑا تھا، خدا کے آخری نبی خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) پر پہلی آیت جو نازل ہوئی وہ اپنے اندر تفکر، تدبر، بصیرت، دانش، ذہانت اور عظیم ترین صلاحیت رکھتی ہے، دنیا کے اخلاقی احساس کا، خدا نے علم کو اسم کے ساتھ جوڑا تھا، اور خدا نے جو پہلی آیت نازل کی تھی وہ یہ ہے: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ اس میں سمجھنے، سوچنے اور بصیرت کا بہت بڑا سامان ہے، خدا نے انسانوں کو یہ سہولت عطا کی اور یہ

طریقہ عطا کیا کہ وہ اپنی زندگی کی فکر کریں، اپنے اہل وعیال کی فکر کریں، اپنے ماحول کی فکر کریں، اور یہ سب اس کی مربوبیت کے سایہ میں ہو، وہ رب العالمین ہے، اس پر یقین کرنا چاہیے، اور اس کا اثر ہم پر ہونا چاہیے، لوگوں کی آسائش کا، لوگوں کے امن وامان کے ساتھ رہنے کا، زندگی سے لطف اٹھانے کا ان کو موقع دینا چاہیے، پہلی جو آیت نازل ہوئی نبی اُمی پر بلا دِاُمی اور عالمِ اُمی میں، وہ حکام کے یہاں ڈھونڈھنے سے نہ ملے گی۔

انسانیت کا زوال کب سے شروع ہوا؟

اور نبی سے صاف صاف کہا گیا، کہ کبھی آپ نے نہ پڑھا اور کبھی آپ نے نہ لکھا، اور کہا گیا کہ ﴿اِقْـرَأْ﴾ اب جو امت پیدا ہوگی، وہ قرأت والی امت ہوگی، اور اس کا رشتہ علم کے دامن کے ساتھ باندھ دیا جائے گا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی رہنمائی بھی کی جارہی ہے، جس کو اکثر قوموں نے نظر انداز کیا، اور ترقی یافتہ مغرب میں جب سے وہاں بیداری شروع ہوئی، ﴿اِقْـرَأْ﴾ پڑھو، لیکن صرف پڑھنا کام نہیں آئے گا، بلکہ وہ علم بہت تخریبی بن جائے گا، وہ تخریبی ذہن پیدا کرے گا، اور انسانوں میں خود پرستی پیدا کرے گا، دوست پرستی پیدا کرے گا اور شہوانیت کی طرف لے جائے گا، ﴿اِقْرَأْ﴾ پڑھو، لیکن خالی ﴿اِقْـرَأْ﴾ پڑھنا کام نہیں آئے گا، ﴿اِقْـرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھو، دنیا میں اب اگر تاریخ منصفانہ طریقہ پر، حقیقت پسندانہ طریقہ پر لکھی جائے اور دیکھا جائے کہ دنیا میں انسانیت کا زوال کب سے شروع ہوا، تو یہ عنوان قرار دینا ہوگا: جب سے علم اور اسم کا رشتہ ٹوٹا، جب سے علم اسم سے آزاد ہوا اور انسان نے اسم کو بھلاتے ہوئے، فراموش کرتے ہوئے، انکار کرتے ہوئے، بلکہ بغاوت کرتے ہوئے کہ اس کائنات کا کوئی خالق نہیں ہے، اگر اس کائنات کا کوئی خالق ہے بھی تو اس کا مالک نہیں اور وہ اس کا منتظم نہیں ہے، وہ کریئیٹر (Creator) ہے، ایڈمنسٹریٹر (Administrator) نہیں ہے کہ یہ تاج محل ہے، دنیا کا شاہ جہاں بنا کر رخصت ہوا، اور جو انتظامی ڈھانچہ ہے اس کے رحم وکرم پر ہے، وہ جو چاہے سلوک کرے، وہ کچھ نہیں کہہ سکتا، یہ دنیا تاج محل نہیں ہے، قطب مینار نہیں ہے، بلکہ

یہ خدا کا بنایا ہوا کارخانہ ہے، وہ تنہا چلا رہا ہے، اسی کا کام ہے ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْأَمْرُ﴾ (سورة الأعراف: ٥٤) حکم دینا اور چلانا۔

اس وقت ضرورت تھی کہ ہمارے اس طرح کے ادارے، سائنٹفک ادارے، ٹکنالوجی کے ادارے، ایجوکیشن کے ادارے، انجینیر نگ کے ادارے اسی اسم کے ساتھ وابستہ ہوں، اور یہ کام وہی جماعت کرسکتی ہے جس کی بنیاد ہی اس صفت پر پڑی، اس کی زندگی اس کی تاریخ ہی سے شروع ہوئی، اور امت مسلمہ پیدا ہوئی، وحی آسمانی سے، اور نبی امی کی رہبری سے، اور اس کے پیغام سے، اور اسی سے امت کی تاریخ شروع ہوئی ہے، اور اس کے مذہب کی بنیاد اس پر رکھی گئی ہے کہ علم کو اسم سے برابر جوڑے رہیں۔

مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ

آج یورپ اور امریکہ میں جو المیہ پیش آیا، وہ انسانی المیہ ہے کہ اس وقت ان کے ہاتھ میں باگ ڈور ہے دنیا کی اور وہ اس کی قیادت کررہے ہیں، فکری قیادت کررہے ہیں، اور علمی قیادت کررہے ہیں، سائنسی اور انتظامی قیادت کررہے ہیں، انھوں نے علم کا رشتہ اسم سے توڑ دیا ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، ضرورت اس کی تھی کہ علم کو اسم کے ساتھ لے کر چلا جائے علم اسم کی رہنمائی میں، اسم کے سایہ میں، اس کی سرپرستی میں آگے بڑھے اور اسم کی برکت بھی اس کے ساتھ ہو، تب جا کر ہماری ٹکنالوجی اور سائنس کی جتنی ہماری شاخیں ہیں اور جتنے تعمیری کام ہیں، اور تعمیری ادارے ہیں، اور ہماری دانش گاہیں ہیں، ہمارے تحقیق کے مراکز ہیں، وہ سب اسی وقت مفید ہوسکتے ہیں کہ جب اسم کے سایہ میں ہوں اور وہ اسم کو نہ بھولیں اور نہ بھولنے دیں، خدا کا شکر ہے کہ اس راستے میں مقامی طور پر یہ ایک قدم اٹھایا گیا ہے، لیکن یہ بہت مبارک قدم ہے، میں اپنے عزیزوں اور رفیقوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ یہ قدم اٹھایا اور الحمد للہ ترقی کے آثار ہمارے سامنے ہیں، میں آپ کے سامنے موقع سے فائدہ اٹھا کر اتنا عرض کروں گا کہ میں علامہ اقبال کے شعر کا پہلا مصرع نہیں، بلکہ دوسرا مصرع پڑھوں:

ع مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ

انسانی کمپیوٹر

حضرات! مجھے عزت بخشی گئی کہ میں کمپیوٹر کے سکشن کا افتتاح کروں، میں آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے اس سے پہلے کمپیوٹر کا کوئی تجربہ نہیں تھا، میں لکھنے پڑھنے والا آدمی ہوں، کتابوں اور قلم سے تعلق ہے، میں نے جب انگلی رکھی تو فوراً کچھ نقوش سامنے آ گئے، اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو درحقیقت اور خاص طور سے مسلمانوں کو کمپیوٹر ہی بنایا تھا، اس میں وہ سب چیزیں موجود تھیں، لیکن اس کی ضرورت تھی کہ انگلی رکھی جائے اور وہ چیزیں ابھر آئیں، اور وہ سامنے آ جائیں، وہ انگلی پیغمبر کی انگلی ہے اپنے زمانے میں، اور متبعین پیغمبر کی، نبی کے پیغام کو پہنچانے والوں کی انگلی اپنے اپنے زمانے میں، اور زمانے کے تقاضے کی انگلی جو قوم وملت کی ضرورت کی انگلی ہے، وہ بھی انگلی ہے اور وہ ایسی انگلی ہے جس نے قوم کو رخ دیا ہے، اور قوموں کو منزل تک پہنچایا ہے، وہ انگلی رکھی جائے اور نقوش ابھر کر سامنے آ جائیں۔

درس عبرت

افسوس ہے کہ آج انسان تو انسان خود مسلمان کمپیوٹر نہیں رہا، اس مسلمان میں اس کی صلاحیت باقی نہیں رہی، اور اس کے اندر اس کا شعور بھی باقی نہ رہا کہ ہم کس چیز پر مامور ہیں، ہمیں کیا چیز پلادی گئی ہے، ہمارے اندر کیا چیز سرایت کر گئی ہے، ہمارے اندر وہ اتار دی گئی ہے، وہ ہمارے دماغ اور ہمارے ذہن کا ایک جزو بن گئی ہے، عقیدہ تو عقیدہ، ہمارے فہم کا ایک جزو بن گئی ہے، جب اس پر اشارہ کیا جائے، جب اس کی تحریک پیدا ہو، ہمیں اپنے اندر کے خزانے کو فوراً باہر لانا چاہیے، آج جو کام کمپیوٹر کر رہا ہے، یہ کام مسلمانوں کو کرنا چاہیے تھا کہ جس وقت امر الٰہی ہو، اور جس وقت شرعی حکم سنایا جائے، اور جس وقت ملت کی ضرورت کا اظہار کیا جائے اور جس کو ملت خود پکارے اور ہمیں جیسا کہ بعض عزیزوں اور رفیقوں نے اس کا اظہار کیا اپنی تقریروں میں، یا جس کی ملت خود ضرورت پیش کر رہی ہے اور فریاد کر رہی ہے،

لیکن افسوس ہے کہ وہ انگلی نہیں اٹھتی جو کمپیوٹر پر لگے، اور اگر وہ انگلی نہیں اٹھتی تو وہ کمپیوٹر کام نہیں کرے گا، اور وہ چیز وہاں سے نہیں نکلے گی جس کی آج ضرورت ہے۔

اور یہ ادارہ جس شعور کے ساتھ اور جس عہد و معاہدہ کے ساتھ اور جس عزم و ارادے کے ساتھ قائم کی گیا اسی فیصلہ واعلان کے ساتھ یہ ادارے قائم ہوں کہ ہم صرف فن نہیں سکھائیں گے، خداشناسی بھی سکھائیں گے، اور ہم جو علم دیں گے خدا کی معرفت اور اس کے وجود کے اقرار کے ساتھ، اس کے خالق کائنات اور قادر مطلق ہونے کے اقرار کے ساتھ، اور اسی کو راضی کرنے کا کام سب سے ضروری سمجھا جائے، اور اس کے پیغمبروں کے پیغام کے صرف احترام ہی نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے، آج دنیا میں اسی چیز کی کمی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج امریکہ میں اور یورپ کے بعض دیگر ملکوں میں سارے وسائل ہونے کے باوجود مقصد حاصل نہیں ہورہا ہے، انسانوں کی خدمت نہیں ہورہی ہے، اور وہ حفاظت کا سامان نہیں ہے، بلکہ خطرہ پیدا ہورہا ہے۔

ماشاءاللہ کی کمی

میں نے واشنگٹن میں ایک تقریر میں کہا تھا، میں پہلے سے تیار نہ تھا، اور وہاں برابر دورے ہورہے تھے یونیورسٹیوں میں، تو میں نے سوچا کہ قاری صاحب جب آیتیں پڑھیں گے، اس دن اسلامی سنٹر میں میری تقریر تھی، واشنگٹن ڈی سی میں، تو میں نے کہا کہ قاری صاحب کی تلاوت سے مضمون حاصل کروں گا اور پیش کروں گا، قاری صاحب نے سورہ کہف کی آیت پڑھی، جس میں ایک باغ والے سے ایک ساتھی نے کہا: ﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (سورة الكهف: ٣٩) اس نے کہا تھا: یہ میرا باغ ہے، اور ہمیشہ رہے گا، اور بڑے فخر سے کہا تھا اور بڑا غرور کیا تھا، تو اس کے مومن، صاحب ایمان دوست نے کہا کہ میرے بھائی! بہتر تو یہ ہوتا کہ جب تم اپنے باغ میں داخل ہوتے تو یہ کہتے: ﴿مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، سب اللہ کا دیا ہوا ہے، میں نے کہا: امریکہ میں سب کچھ ہے، لیکن "مَاشَاءَ اللّٰهُ" نہیں ہے، آج امریکہ

میں سب کچھ ہے، لیکن "مَاشَاءَ اللّٰهُ" یاد دلانے والا نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے، آج امریکہ سب کچھ کرتا ہے، احسان بھی کرتا ہے، لیکن اس کا شکرانہ نہیں ادا ہوتا، اور اس کا جواب نہیں ملتا، اور پھر وہ نتائج نہیں ظاہر ہو رہے ہیں جو دنیا کے امن وامان کی شکل میں، رفاہ عام کی شکل میں اور ایک دوسرے پر اعتماد اور عزت کرنے کی شکل میں ہونا چاہیے، اس لیے کہ اس کے ساتھ خلوص نہیں ہے، اس میں ایمان کی وہ چنگاری نہیں ہے، وہ ایمان کا محرک نہیں ہے۔

اسم الٰہی کا سایہ

ہم نے کہا: آج امریکہ میں سب نعمتیں موجود ہیں، اور ہر طرح کی راحت کے سامان موجود ہیں، لیکن حقیقت میں وہ راحت حاصل نہیں جو ہونی چاہیے، اس لیے کہ ماشاء اللہ نہیں ہے، ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ ادارے قائم ہوں لیکن ماشاء اللہ کے سائے میں، اسم الٰہی کے سائے میں قائم ہوں، علم واسم مل کر چلیں، میں آج صاف کہتا ہوں اگر چہ یہ محدود مجلس ہے اپنے دوستوں ورفقاء کی، یہ بات دنیا کے بہت بڑے، وسیع ترین اور بلند ترین پلیٹ فارم پر کہنے کی ہے کہ جب تک علم واسم ساتھ نہیں ہوں گے، دونوں کا جوڑ نہیں ہوگا، اور جب تک علم اسم کے سایہ میں نہیں ہوگا، اس وقت دنیا تخریب کی طرف جائے گی اور ہلاکت کی طرف جائے گی اور خودکشی کرے گی، اور وہ امن وامان، رفاہ عام اور وہ باہمی اعتماد، تعاون، نیک کام میں دوسرے کا ساتھ دینا، یہ بات حاصل نہیں ہوگی، خدا کا شکر ادا کرتا ہوں، اور آپ کے سامنے اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ الحمدللہ یہ ادارہ اسی بنیاد پر قائم ہے، مجھے امید ہے کہ اسی بنیاد پر قائم رہے گا، یہ دین کے سائے میں، دینی مقاصد کے سائے میں اور انسانی ہمدردی کے سائے میں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو ذمہ داری ڈالی ہے، جس منصب سے انھیں سرفراز کیا ہے، اس کے شعور واحساس کے ساتھ یہ ادارہ چلے گا اور ایسے اداروں کی آج ضرورت ہے، میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ایسے اداروں کا قیام جا بجا ہو اور وہ ترقی کریں، اور مسلمان صرف صنعتی ادارے ہی نہیں، بلکہ جیسے کہ ہمارے فاضل دوستوں نے کہا کہ یہ دانش گاہوں اور یونیورسٹیوں سے لے کر پرائمری اسکولوں تک بلکہ ابتدائی

مکاتب تک اسم الٰہی ضرور موجود ہو اور اسم الٰہی کی روشنی میں اور اسم الٰہی کی رہنمائی ہو، اسم الٰہی کا ادب ہو، اسم الٰہی کا احترام ہی نہیں، بلکہ اس کے سائے میں، اس کی رہنمائی حاصل کر کے کام ہو، اس کے نہ ہونے سے ہی تمام علوم کے ترقی کرنے اور پھلنے پھولنے کے باوجود دنیا کو وہ امن وسکون حاصل نہیں ہو رہا ہے، اور ان علوم سے وہ منافع نہیں حاصل ہو رہے ہیں جو ہونے چاہیے تھے، اس لیے کہ ان کا رشتہ مذہب سے ٹوٹا ہوا ہے، بس میں اس پر ختم کرتا ہوں، اور جو آپ نے اعزاز بخشا اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو قائم ودائم رکھے، اور ترقی عطا فرمائے۔[1]

---

(۱) انسٹیٹیوٹ آف انٹگرل ٹیکنالوجی، (لکھنؤ) ۔جس کی بنیاد حضرت مولاناؒ کے ہاتھوں ۱۹۹۴ء میں رکھی گئی تھی۔ کی نئی بلڈنگ میں کمپیوٹر سنٹر کا افتتاح کرتے ہوئے کی گئی تقریر، ماخوذ از پندرہ روزہ ''تعمیر حیات''، لکھنؤ (شمارہ ۲۵ر اپریل ۱۹۹۵ء)۔

ذات الٰہی سے غیر مربوط علم کا نتیجہ

مسلمان کبھی علم سے بے نیاز نہیں ہوسکتا

خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (سورة العلق: ١)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) سے مخاطب ہوکر فرمارہا ہے: اے نبی! پڑھو اللہ کے نام کے ساتھ، اِقْرَأْ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک واضح اشارہ دیا کہ اب جوامت اس دنیا میں آنے والی ہے، وہ دنیا کو جاہلیت سے نکال کر نور اور روشنی کی دنیا میں لائے گی، اِقْرَأْ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے علم کا دامن، قسمت کا دامن، تحقیقات اور جستجو کا دامن، اس امت سے باندھا جو کہ عالم بھی ہوگی اور معلم بھی ہوگی، اپنا محاسبہ بھی کرتی رہے گی، اِقْرَأْ کا لفظ مسلمانوں کے مستقبل کو متعین کرتا ہے کہ مسلمان کبھی علم سے بے نیاز نہیں ہوسکتے، اسلامی معاشرہ کبھی علم کو اللہ کی ذات سے الگ نہیں کرسکتا، امت علم کو خدا سے مربوط رکھے گی، کیونکہ اگر علم کو اللہ سے مربوط نہ کیا گیا، اس کی عظمت شان کریمی، بزرگی اور قدرت سے مربوط نہ کیا گیا تو علم پھر تخریب کاری کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

روم ویونان کا نقص

روم اور یونان کی اقوام علم وفن میں انتہائی ترقی یافتہ قومیں تھیں، لیکن ان کے علم کا ربط اللہ کی ذات سے نہیں تھا، اس لیے انھوں نے دنیا میں کشت وخون کا بازار گرم کیا، دور

جدید میں بھی علم اور ٹکنالوجی، سائنس اور دوسرے علوم کا ربط اللہ کی ذات سے نہ ہونے کی بنا پر اس کا استعمال تخریبی کاروائیوں میں کیا جارہا ہے، انسان انسان کے خون کا پیاسا محض اس لیے ہے کہ اس نے علم تو حاصل کیا لیکن علم کا سلسلہ اللہ سے نہیں جوڑا۔

اسرار کائنات منکشف ہونے کے اسباب

علم جب صفات الٰہی سے، اس کی قدرت کاملہ اور حکمت ودانائی اور خدائے بزرگ وبرتر کی عظمت سے منسلک ہوجاتا ہے تو ترقی کی منزلیں طے ہونے لگتی ہیں، اسرار کائنات منکشف ہوتے ہیں، قومیں تعمیری کاموں میں لگ جاتی ہیں، پھر ایسا علم انسان کو منافرت، تفرقہ اور تخریب کاریوں سے بچاتا ہے، انھیں ان لعنتوں سے دور رکھتا ہے، اللہ کے نام کی رہنمائی میں خدا کی وحدانیت اور خوف خدا کے نشہ میں سرشار کرکے علم انسانوں کو ترقی کی معراج سے سرفراز کرتا ہے۔

انگریز مصنف آرتھر نے اپنی کتاب Conflict Between Religion & Science میں انتہائی صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ علم جب خدا کے نام سے بے نیاز ہوجاتا ہے، تو تباہی وبربادی کا باعث بن جاتا ہے، اسم الٰہی کے بغیر علم انسانوں میں جذبۂ رعونت پیدا کرتا ہے، انسان یہی سمجھتا ہے کہ میں اس دنیا کی قیمت ہوں، انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی ہستی کو نہ بھولے، اِقْـرَأْ آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی توجہ اس نکتہ کی جانب مبذول کرائی ہے، قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، اس سے اللہ کو بتانا مقصود ہے کہ انسان کی حیثیت ہی کیا ہے، وہ اپنی ہستی کو نہ بھولیں، خدائے بزرگ وبرتر نے اس "اِقْـرَأْ" آیت میں یہ سمجھادیا ہے کہ انسانوں کو چاہیے کہ اللہ کی عظمت، بزرگی اور اس کے قادر مطلق ہونے کو کبھی نہ بھولیں، جو اللہ خون کے لوتھڑے سے انسانوں کو پیدا کرسکتا ہے، اس کے قبضۂ قدرت میں پوری کائنات ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ ہے، لہٰذا علم کو چاہیے کہ وہ اسم سے جڑا رہے، قرآنی تعلیمات سے بے بہرہ نہ رہے، انسان اللہ سے بے نیاز نہ رہے، یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ وہ سب سے

بے نیاز ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ سب اس کے محتاج ہیں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ علم کی دولت اور اس کی نعمتوں سے فیض یاب تو ہوں، لیکن علم کا ربط اسم (اللہ تعالیٰ) سے جوڑے رکھیں، اور جب قومیں یہ انداز اپنا لیتی ہیں تو دنیا کی دولت، جاہ و حشم سب کچھ ان کے قدموں میں ہوتا ہے اور تعمیری کام انجام پاتے ہیں۔ (۱)

(۱) ممبئی میں ۵ر جولائی ۱۹۹۴ء کو صابو صدیق کالج آف انجینیرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے ''الماطیفی ہال'' میں تحریک قرآن فہمی، دعوت قرآن و سنت کے زیر اہتمام ہونے والے ایک جلسہ میں کی گئی تقریر، ماخوذ از پندرہ روزہ ''تعمیر حیات''، لکھنؤ (شمارہ ۲۵ر جولائی ۱۹۹۴ء)۔

اسلام اور جاہلیت

حضرات! پڑھے لکھے لوگوں نے دو لفظ سنے ہوں گے: ایک اسلام، اور دوسرے جاہلیت، یہ قرآنی اصطلاحات ہیں، اور کثرت سے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، لیکن جاہلیت کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو ذہن عہد رسالت کے قبل کے زمانہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، رسالت سے قبل ساری دنیا میں جہالت پھیلی ہوئی تھی، لوگ خدا کو بھول گئے تھے، اور زندگی کے مقصد کو بالکل فراموش کر چکے تھے، اور انسانیت کے منصب اور خدا سے اس کا جو تعلق ہونا چاہیے تھا، اس کو بھول گئے تھے، عام طور سے لوگ اس کو ایک تاریخی عہد سمجھتے ہیں، اور اسلام کے پہلے کے زمانے کو عہد جاہلیت کہتے ہیں، اس کے بعد کا دور اسلامی کہلاتا ہے۔

اسلام کے معنی

اسلام کے معنی اپنے کو اللہ کے حوالہ کر دینا ہے، اپنی تمام چیزوں، اپنی خواہشات، اپنے ماضی، اپنے فوائد، اپنے اغراض اور اپنے ان مقدسات سے جو اس کے دل ودماغ پر حاوی ہیں، ان کے قابو سے نکل جانا اور ان سے دست بردار ہو جانا ہے، جسے انگریزی میں Surrender کرنا کہتے ہیں، اللہ ورسول کے احکام پر چلنا یعنی خدا چاہی زندگی گزارنا اسلام ہے۔

جاہلیت کا مطلب

اور جاہلیت کے معنی ہیں: من مانی زندگی گزارنا، جو دل میں آئے وہ کرنا، جیسا ہو رہا ہے ویسا کرنا، جو لوگ چاہتے ہیں اس کے مطابق کرنا، جس میں آدمی فائدہ دیکھے وہ کرنا، جس میں شہرت ملے، عزت ملے، نام ونمود ملے وہ کرنا، جو جی میں آئے وہ کرنا، جس میں مزہ آئے اور جس میں فائدہ معلوم ہو، جس میں چرچا ہو، تذکرہ ہو، لوگ تعریفیں کریں، جس میں لذت ملے اور عزت ملے وہ کرنا۔

لیکن جاہلیت کے متعلق آپ کے ذہن میں ایک بات یاد رہنا چاہیے کہ جاہلیت جہالت کے لفظ سے ہے، اور جہالت جاہلیت پیدا کر دیتی ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد، مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے بعد، اپنے کو مسلمان کہلانے کے بعد، اگر آدمی نے دین کی ضروری اور بنیادی معلومات حاصل نہیں کیں، قرآن مجید کا مطالعہ نہیں کیا، ترجمہ کے ذریعہ، عالموں کے ذریعہ، دینی کتابوں کے ذریعہ اس کو اللہ ورسول کا منشا نہیں معلوم ہوا اور اس نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی تو وہ جاہلیت پھر آجائے گی، یعنی وہ جاہلیت جو گزر گئی اس کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ واپس نہیں آسکتی ہے، حضور (ﷺ) نے بار بار فرمایا: "أَجَاهِلِيَّةٌ بَعْدَ الْإِسْلَامِ؟"، کیا اسلام کے بعد جاہلیت چاہتے ہو؟ اور ایک صحابی جن سے ایسی ہی غلطی ہوگئی تھی، ان کے متعلق آپ نے فرمایا: "إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ"[1]، (تم ایسے آدمی ہو جس کے اندر جاہلیت کی بو باقی ہے)، تو معلوم ہوا کہ جاہلیت کوئی گزرا ہوا زمانہ نہیں ہے، جو گزرے ہوئے وقت کی طرح واپس نہ آسکتی ہو، بلکہ جاہلیت ایک طرز زندگی کا نام ہے، اور اس طرز زندگی کو بنیادی طور سے جو چیز جاہلیت بناتی ہے وہ جہالت ہے، تو اسلام کا جہالت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے۔

اسلام کے تقاضے

اسلام کے لیے ضروری ہے کہ بنیادی معلومات حاصل ہوں اور آدمی کو معلوم ہو کہ

(۱) أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب الإيمان، باب المعاصي من أمر الجاهلية، رقم ٣٠

کیا چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اور کیا چیز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے؟ کیا چیز اللہ و رسول کے منشا کے مطابق ہے؟ کیا چیز آنحضرت (ﷺ) کی پسندیدہ ہے؟ کیا چیز مسلمان، ایمان اور عقیدہ کے مطابق ہے اور کیا چیز مطابق نہیں ہے؟ تو اس کا علم حاصل کرنا اپنے لیے بھی، اپنے بچوں کے لیے بھی، آئندہ نسلوں کے لیے بھی، اور اس کا انتظام کرنا ضروری ہے، اگر ہمیں قرآن مجید کی زبان سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا وزن معلوم ہو، اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی سطح اور شان سے واقف ہوں اور یہ معلوم ہو کہ اس کلام کا ایک ایک لفظ کتنی گہرائی رکھتا ہے، اور کتنی بلندی رکھتا ہے، اور اس کی کتنی اہمیت اور قدر و قیمت ہے، تو ہم کانپ جائیں۔

علماء کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُاْ﴾ (سورۃ فاطر: ۲۸)، ''إِنَّمَا'' کلمۂ حصر ہے، یعنی اس کے سوا کچھ نہیں، اللہ سے وہی ڈرتے ہیں، اللہ سے وہی ڈر سکتے ہیں، وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں، اردو زبان میں علماء سے مولوی صاحبان، مدارس کے فضلاء۔ اللہ تعالیٰ ان کی تعداد میں اضافہ کرے، اور ان کے علم سے فائدہ پہنچائے۔ مراد لیے جاتے ہیں، لیکن کلام الٰہی اور کلام نبوت میں ان کا علم محدود نہیں ہے، ''العلماءُ'' جب کہیں گے تو ہمارے سامنے بڑے بڑے علماء آئیں گے، حکیم الاسلام حضرت تھانویؒ کا نام آئے گا، حضرت مدنیؒ کا نام آئے گا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا نام آئے گا، مولانا سید سلیمان ندویؒ کا نام آئے گا، ''العلماء'' کے معنی ہیں: جاننے والے کے، جب اللہ نے یہ فرمایا کہ اللہ سے علماء ڈریں گے، اللہ سے وہی ڈر سکتے ہیں جو علم رکھتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ دین جو ہم کو اسلام کے نام سے ملا ہے، یہ علم سے جڑا ہوا ہے، اس کا علم کے ساتھ ایسا رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا، علم اسلام کا ایک ضروری اور بنیادی عنصر ہے، اس میں صحیح عقائد کا علم ہو جائے، فرائض کا علم ہو جائے، اللہ تعالیٰ کی ضروری تعلیمات کا علم ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے منشا و فرمان کا علم ہو جائے، کیا چیزیں ہم پر فرض اور واجب ہیں، کیا اسلام ہے اور کیا کفر ہے، اس کا فرق معلوم ہو جائے، اور کیا توحید ہے اور کیا شرک ہے، کفر

اور ایمان کا فرق معلوم ہو، توحید اور شرک کا فرق معلوم ہو، بدعت وسنت کا فرق معلوم ہو، طاعت اور معصیت کا فرق معلوم ہو، حرام وحلال کا فرق معلوم ہو، جائز وناجائز کا فرق معلوم ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کا فرق معلوم ہو جائے۔

علم کیسے حاصل ہو؟

وہ علم جو اسلام کے لیے ضروری ہے، وہ مواعظ کے ذریعہ، صحبت کے ذریعہ، تبلیغی جماعت میں شامل ہوکر، یا کوئی اور ایسا ماحول اور صحبت اختیار کر کے ضروری علم حاصل کرے، علم کے وسائل بہت ہیں اور الحمد للہ آسان ہو گئے ہیں، اور مدرسوں کی وجہ سے اور بھی سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں، کتابوں کی کثرت ہے، مدارس کا فیض عام ہے۔

دینی مدارس کی اہمیت وافادیت

یہ مدارس کوئی معمولی چیز نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قائم رکھے، ان کی وجہ سے ہندوستان کی ملت اسلامیہ اپنی خصوصیات کے ساتھ باقی ہے، آزادی سے قبل کا زمانہ مجھے یاد ہے، جب انگریزوں کا اقتدار شباب پر تھا، اس وقت خلیفہ شجاع الدین نے ایک رسالے میں مضمون لکھا کہ اب ان مدرسوں کی کیا ضرورت ہے؟ اب زمانہ بدل گیا ہے، ان مدرسوں کو اسکولوں میں تبدیل کر دینا چاہیے، اور وہاں انگریزی زبان پڑھائی جائے اور سائنس کی تعلیم دی جائے، جیسا کہ آج بعض لوگ مطالبہ کرتے ہیں، علامہ اقبال نے کیمبرج اور جرمنی سے قانون، اقتصاد اور فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کیا تھا، انھوں نے اس کا جواب دیا کہ خدا کے لیے تم یہ نہ کہو، اگر یہ مدارس نہ رہے تو ہندوستان اسپین بن جائے گا، اسپین میں کیسے کیسے ولی اللہ مدفون ہیں، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی وہاں مدفون ہیں، فقہ مالکی میں ایک اصولی مسئلہ ہے کہ ان کے یہاں اہلِ مدینہ کا عمل حجت ہے، اس میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، ویسے ہی ایک زمانہ میں یہ مسئلہ بن گیا تھا کہ عملِ قرطبہ حجت ہے، وہاں علماء کے فیض اور عربی علوم کے اثر سے اور محققین کے پیدا ہونے سے اور گھر گھر عالموں کے ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی اسلام کے ڈھانچہ میں ڈھل گئی تھی کہ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ قرطبہ میں ایسا ہوتا تھا، جس ملک کا

ایسا حال ہو، وہاں کا عمل حجت ہو، اور پوری شمالی افریقہ کی پٹی جو لیبیا اور سوڈان سے شروع ہوتی ہے اور مراکش تک جاتی ہے، اور پھر اسپین تک جاتی تھی، یہ سارے علاقے سو فیصدی مالکی ہیں، ایسا کوئی ملک نہیں جو سو فیصدی حنفی ہو، وہ ملک مسلمانوں سے خالی ہو جائے۔

علم ہمارے لیے ضروری کیوں؟

علم ہمارے لیے اس لیے ضروری ہے کہ ہمارا اسلام کے ساتھ وابستہ رہنا اور اسلام پر پورے طور پر چلنا اس کے بغیر ممکن نہیں، بلکہ ناممکن ہوسکتا ہے، اور کم سے کم ہمارا ہندوستان جیسا ملک ہے، جس کے چاروں طرف جہالت کی جو فضا ہے، اور جو کفر و شرک اور دوسرے مذاہب، میتھالوجی (دیو مالائی) جو پھیلی ہوئی ہے، اور اب آج کل ریڈیو، ٹی وی کے ذریعہ، پریس کے ذریعہ، اور تاریخ کے ذریعہ اور ہر طرح سے وہ چیزیں پھیلائی جارہی ہیں، جو کبھی ہندوستان میں تھیں، وہ بھی سامنے لائی جارہی ہیں، اس صورت میں دین کی تعلیم کی سخت ضرورت ہے، گویا اس وقت اسلام کے باقی رہنے کا دارومدار اس پر ہے کہ آپ کے گھر والوں کو، آپ کے بچوں کو ضروری دینی معلومات حاصل ہوں، اس کا انتظام ہونا چاہیے، بار بار کہا اور لکھا ہے کہ بچوں کی صحت اور بچوں کے کپڑے بنوانے، بچوں کے دوا علاج کرنے، بچوں کو بیماریوں سے تحفظ فراہم کرنے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو اللہ و رسول سے واقف کرائیں اور ان کو کفر و ایمان کا فرق بتائیں، انھیں شرک و توحید کا فرق بتائیں اور شرک و بت پرستی کا فرق بتائیں، ہماری ماؤں اور بہنوں پر فرض ہے اور گھر کے لوگوں پر فرض ہے کہ ان کے دل میں ان سے گھن پیدا کریں، ایسی گھن جو گندگی و پاخانہ پیشاب سے ہوتی ہے۔

شرک و کفر اور اس کے مظاہر سے نفرت

جب تک ہماری نئی نسل کے دل میں بت پرستی، چاہے وہ کسی قسم کی بت پرستی ہو، اس کائنات میں کسی کو متصرف ماننے، کسی کو کارساز ماننے، کارفرما ماننے، اور اپنی قسمت کا بنانے والا اور بگاڑنے والا جاننے، اس سے جب تک گھن نہ آئے جیسے پاخانہ اور پیشاب اور گندی چیزوں سے ہوتی ہے، اس وقت تک اس کے ایمان کا اطمینان نہیں ہے کہ وہ اپنے ایمان پر قائم رہے گا۔

کفر وشرک سے مسلمانوں کو ایسی نفرت ہونی چاہیے جیسے آگ میں ڈالے جانے سے نفرت ہو، کفر وشرک کی تمام شکلوں سے جب تک اس کے دل میں نفرت نہ ہو، اور ہندوستان میں جو دیو مالائی چیزیں ہیں، اور بت پرستی کی جو چیزیں ہیں اور یہاں کے دیوتاؤں کے بارے میں جو خیالات ہیں، اس سے نہ صرف بچا رہے، یہ ایک بڑی نعمت ہے، بلکہ اس سے نفرت ہو، اور اس کے نام سے اس کا ذائقہ خراب ہو جائے، اور اس کے دل و دماغ اور احساسات پر ایسا اثر پڑے جیسے کوئی گندی چیز کھالی ہے۔

نسل نو کی تعلیم و تربیت کی فکر کیجیے!

بچوں کو دینی تعلیم دینا اور ایسی دینی تعلیم کا انتظام کرنا جس سے اس کو دین کا ضروری علم حاصل ہو جائے بلکہ کفر اور شرک سے ایک قسم کی نفرت، وحشت نہ پیدا ہو، اس وقت تک اطمینان نہیں کہ وہ کفر وشرک کا کوئی کام نہ کر گزرے، مائیں ایسے قصے سنائیں جس سے کفر و شرک کا فرق معلوم ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کے گھر میں پیدا ہوئے، جہاں صرف حکومت بت پرستوں کی نہیں تھی بلکہ ان کا معاش بھی اس سے وابستہ تھا، یعنی اعتقادی اور اقتصادی دونوں طور سے بت سازی ان کے گھر میں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو داعی کبیر بنایا تھا، بلکہ موحد اُمت کا بانی بنایا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے کفر وشرک کے فرق کو ﴿يَـٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَـٰمًا﴾ (سورة الأنبياء: ٦٩) (اے آگ! تو ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا) سے عیاں کر دیا، ایسے قصوں سے، ایسے واقعات سے بچوں میں، گھروں میں اور ماحول میں کفر وشرک کا امتیاز پیدا ہوگا، اور اسلام کا صحیح علم حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوگی، اسی لیے علم کو اسلام کے ساتھ مربوط رکھا گیا ہے تا کہ مسلمان اسلامی تعلیمات کے ساتھ مسلمان رہے، ایمان و عقیدہ کے ساتھ مسلمان رہے۔[1]

---

(۱) کیم جون ۱۹۹۲ء کو مدرسۃ الفلاح (اندور) میں منعقد ایک جلسۂ عام میں کی گئی اختتامی تقریر، ماخوذ از ''تعمیر حیات'' لکھنؤ (شمارہ ۱۰ر جولائی ۱۹۹۲ء)۔

دین وعلم کا دائمی رشتہ
اور امت کی ذمہ داری

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ (سورة التوبة:۱۲۲)

''اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب نکل آئیں، تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے، تاکہ دین (کا علم سیکھتے اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے، اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تاکہ وہ حذر کرتے۔''

میرے عزیزو، بھائیو اور دوستو! ابھی آپ نے مولانا برہان الدین صاحب استاد تفسیر دارالعلوم، ندوۃ العلماء کی بڑی جامع مانع تقریر سنی، میں بھی اس سے استفادہ کر رہا تھا، علماء کا اصل منصب کیا ہے؟ وہ نائبین نبی ہیں، اور نبوت کے فرائض یا اس کے منصبی کام اور اس کے شعبے کیا کیا ہیں؟ وہ انھوں نے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیے، تلاوت کتاب، پھر تعلیم کتاب، تعلیم حکمت، بعض حضرات نے اس کو الگ الگ شمار کیا ہے، اور پھر تزکیہ، اس پر انھوں نے بڑے مناسب طریقہ سے روشنی ڈالی۔

اسلام اور علم کا رابطہ

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اسلام علم کے بغیر نہیں رہ سکتا، واقعہ تو یہ ہے کہ علم بھی اسلام کے بغیر نہیں رہ سکتا، لیکن یہ کسی اور مجلس میں شرح وبسط کے

ساتھ کہنے کی بات ہے، وہ علم علم ہی نہیں جو وحی کی سرپرستی اور وحی کی رہنمائی میں نہ ہو؛ بلکہ وحی اور علوم نبوت کی انگلی پکڑ کر کے نہ چلے، اور جس پر وحی کی مُہرِ تصدیق ثبت نہ ہو، اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھیجے ہوئے صحیفوں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کی سرپرستی میں، اتالیقی میں، نگرانی میں، رہنمائی میں نہ ہو، وہ علم علم نہیں

ع علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

اس وقت ہمارا آپ کا موضوع ہے کہ اسلام بغیر علم کے نہیں رہ سکتا، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے آپ مچھلی کو پانی سے نکال دیجیے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے اور وہ مرجاتی ہے، تو اسی طریقہ سے اسلام کے لیے علم ضروری ہے، خدا کی صحیح معرفت ہو، اس کی ذات وصفات کی صحیح معرفت ہو، اس کا بندوں کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ بندوں کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہیے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ آغاز کیا ہے؟ انجام کیا ہے؟ ابتدا کیا ہے؟ انتہا کیا ہے؟ انسان کہاں سے آیا؟ کیوں آیا؟ اور کہاں اس کو جانا ہے؟ اور پھر کیا ہونا ہے؟ اس سب کا علم ہونا ضروری ہے، اسی لیے اسلام علم کو چاہتا ہے، وہ علم کو ضروری قرار دیتا ہے۔

پہلی وحی میں علم وقلم کا تذکرہ

پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غار حرا میں نازل ہوئی، اور سیکڑوں برس کے بعد آسمان وزمین کا پہلی مرتبہ جو رشتہ قائم ہوتا ہے، زمین کے لیے کچھ لینے کے لیے اور آسمان کے لیے کچھ دینے کے لیے، برسوں کے بعد جو دو بچھڑے ہوئے ملتے ہیں، وہ ایک دوسرے کو کیا کیا فغاں وفریاد، شکایتیں اور حکایتیں سناتے ہیں، لیکن اس وقت جو یہ دو بچھڑے ہوئے ملے تو آسمان سے اس نبی کو - جس کو زمین والوں کا رشتہ اللہ سے جوڑنا تھا - سب سے پہلا پیغام ''اِقْرَأْ'' کی شکل میں ملا، اس سے آپ علم وقلم کی اہمیت وعظمت سمجھیے جن کو اس پہلی وحی اور پیغام آسمانی میں عزت کا مقام دیا گیا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کہا تھا

ع کتب خانۂ چند ملت بشست

لیکن آپ نے کتب خانے اتنے دھوئے نہیں جتنے کتب خانے بنا دیے، وہی کتب خانے دھوئے جن کو دھونا چاہیے تھا، لیکن دھوکر کے پھر کیا دیا؟ نور دیا، یقین دیا، اللہ کی صحیح معرفت عطا فرمائی، انسان کو انسان بنا دیا، اور جاہل انسان بلکہ حیوان صفت انسان کو دنیا کا معلم بنا دیا، بقول اکبر؂

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

تعلیم و تعلم کی ضرورت اور اس کا انتظام

دنیا کی کوئی قوم علم سے مستغنی ہوسکتی ہے، کہہ سکتی ہے کہ نہیں ہمارا کوئی نقصان نہیں، ہم پر کوئی فرض واجب نہیں، ضروری نہیں ہے کہ ہم پڑھیں اور پڑھائیں، بچوں کی تعلیم کا انتظام کریں، لیکن روئے زمین پر قیامت تک مسلمان کہیں بھی آباد ہوں، وہ چاہے مقامات مقدسہ ہوں، چاہے جزیرۃ العرب ہو، چاہے یورپ و امریکہ ہو، چاہے ہندوستان کی سرزمین ہو، شہر ہو، قصبہ ہو، دیہات ہو، جہاں مسلمانوں کے چار گھر بھی ہیں، بلکہ جہاں چار مسلمان پائے جاتے ہیں، وہاں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ''اِقْرَأْ'' کا سامان کریں، وہ اس کی تعمیل کریں کہ پڑھو، یہ کام شفاخانوں کے قیام سے زیادہ ضروری اور آپ کی دکانوں سے زیادہ ضروری ہے، یہ کارخانوں سے زیادہ ضروری ہے، اس میں سے کسی چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مامور نہیں فرمایا، یہ نہیں فرمایا کہ تجارت کرو، کماؤ، کہ یہ بھی بہت بڑی طاقت ہے، دین حق کو غالب کرنے کے لیے خوب پیسہ پیدا کرو، خوب دولت جمع کرو، اپنی امت کو یہ سبق سکھاؤ، یہ کہیں نہیں فرمایا، فرمایا تو یہ فرمایا: ''اِقْرَأْ'' (پڑھو) اب بتایئے کہ علم کا کیا مقام ہوا؟

اچھا پھر وہ علم جو من جانب اللہ حاصل ہوتا ہے، ایک علم لدنی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کسی کا سینہ کھول دیتا ہے اور اسے علوم کا گنجینہ بنا دیتا ہے، اس کی زبان سے حکمت اُبلتی ہے، یہ سر آنکھوں پر، ہم ان کو اپنے سے ہزار درجہ افضل مانتے ہیں، ان کا سایہ پڑ جائے تو ہم سمجھیں کہ ہم آدمی بن جائیں گے، لیکن ''اِقْــــرَأْ'' اپنی جگہ پر رہے گا، ان حضرات کو بھی

ضرورت ہے کہ وہ مسئلہ پوچھیں عالموں سے، بڑے بڑے صاحبِ ادراک، صاحبِ کشف بھی نماز کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔

یہ ''اِقْرَأْ'' کا سلسلہ ایسا ہے کہ نبی اُمی سے شروع ہو کر آخری اُمتِ اُمی تک (یعنی جو لفظاً بے پڑھا ہے) جاری رہے گا، کتنے ہی دنیا میں نقلابات آئیں، سلطنتیں بدلیں، تہذیبیں بدل جائیں اور انقلاب عظیم برپا ہو جائے، زبان بدل جائے، تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہے گا۔

حفاظت قرآن کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے کسی زبان اور کسی کتاب کی حفاظت کی گارنٹی نہیں لی، قرآن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے، تو حفاظت کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بس کتاب رہے، نہ کوئی اس کو سمجھے نہ سمجھائے، اس کے لیے سمجھنے سمجھانے والے بھی ہونے چاہئیں، اور وہ کتاب الفاظ میں ہے تو زبان بھی ہونی چاہیے، الفاظ بغیر زبان کے نہیں رہتے، اس لیے عربی زبان بھی رہے گی، کتنی زبانیں مٹ گئیں، لیکن شریعت الٰہی کی زبان عربی اپنی جگہ پر ہے، اور اس کا علم اپنی جگہ پر ہے، تو ہر جگہ کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے یہاں مقدور بھر دینی تعلیم کا انتظام کریں، ہر جگہ مسائل کے بتانے والے نہ صرف یہ کہ موجود ہوں، بلکہ ان کا سلسلہ جاری رہے، یہ بھی مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے، مدارس کا سلسلہ ضروری ہے، یہ کوئی شوقیہ، تفریحی کام نہیں ہے، یہ خالص دینی ضرورت ہے، میں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ مساجد کے بعد نمبر دو کی چیز یہی ہے، اور سچ پوچھیے تو مساجد کے پشت پناہ بھی یہی مدارس ہیں، اگر مدارس نہ ہوئے تو آپ کو امام کہاں سے ملیں گے؟ اور اگر ایسے امام مل گئے جو بس نماز پڑھا دیں تو جمعہ پڑھانے کے لیے اس سے زیادہ کچھ شرائط ہیں، اس کے کچھ اور احکام ہیں، پھر اس کے بعد مسائل کے لیے آپ کہاں جائیں گے؟ مسجدوں ہی میں تو جائیں گے امام صاحب سے پوچھنے، امام صاحب کو کوئی علم نہیں ہے، بس تھوڑی سی سورتیں یاد کرلیں اور نماز پڑھانا آگیا، تو یہ مدارس درحقیقت مساجد کے بھی محافظ ہیں اور مساجد کو بھی غذا پہنچاتے ہیں۔

فضلائے مدارس کا فرض

میں نے آپ کے سامنے شروع میں آیت پڑھی تھی: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ یہ تو ہو نہیں سکتا یعنی ایک غیر ممکن سی چیز ہے، غیر طبعی چیز ہے کہ سب مسلمان سب کام چھوڑ چھاڑ کر دین سیکھنے کے لیے نکل جائیں، نہ دکان پر کوئی بیٹھنے والا، نہ کوئی خرید و فروخت کرنے والا، نہ کوئی ضرورت پوری کرنے والا، معلوم ہوا سارا شہر چلا گیا مدرسہ کا طالب علم بن کر، یہ ہونے والی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ایسی بات نہیں کہتا، نہ اس کا مکلّف قرار دیتا ہے، نہ اس کا مطالبہ کرتا ہے، فرماتا ہے کہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تمام مومنین سب کے سب گھر چھوڑ کر چلے جائیں، ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ﴾ پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ اس کے لیے تیار ہو جائیں کہ وہ دین سیکھیں ﴿لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ دین کی سمجھ حاصل کریں، یعنی وہ دین کے احکام و مسائل کا علم حاصل کریں، ﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ﴾ اور اتنا ہی کافی نہیں کہ خود اپنی ہی ذات کے لیے سیکھ کر کے بیٹھ گئے، اپنا کام نکال لیا، ﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْآ إِلَيْهِمْ﴾ جا کر کے اپنی اپنی بستیوں میں ہدایت کا کام کریں، وعظ و ارشاد کا کام کریں اور ان کو خطرات سے، مہلکات سے بچائیں، شرک کے مہلکات سے، کفر کے مہلکات سے، ان عقائد سے، ان رسوم سے، ان اعمال سے کہ جن سے آدمی بالکل اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات وہ اسلام کی سرحد پار کر جاتا ہے، اور مسلمانوں میں اس کا شمار نہیں رہتا، بعض چیزوں سے ایمان چلا جاتا ہے، بالکل آدمی نے گویا ارتداد اختیار کر لیا ﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْآ إِلَيْهِمْ﴾ عالم ہی بتا سکتا ہے، مسلمانوں کا کوئی بہت بڑا شہر ہو، تجارتی مرکز بھی ہو، کھاتے پیتے مسلمان رہتے ہوں، ایک مدرسہ بھی وہاں نہ ہو دین کے موٹے موٹے احکام سکھانے کے لیے اور قرآن مجید پڑھانے کے لیے، تو پورا شہر گنہگار رہو گا، بس یہی فرض کفایہ کے معنی ہوتے ہیں، پورا شہر خطرے میں ہے، اور خدا کے یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ تمھیں توفیق نہیں ہوئی کہ اپنے اتنے بڑے شہر میں مدرسہ قائم کرو، یہ بات ایسی نہیں جیسے تہجد پڑھنا، بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ تہجد فرض تو ہے

نہیں، اللہ توفیق دے کوئی پڑھے تو بڑی اچھی بات ہے، ایسے ہی ان لوگوں نے مدرسہ قائم کر دیا ہے، گویا تہجد پڑھ لی، یا کوئی خیرات کر دی، یہ بنیادی کام ہے، یہ آپ کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے کہ آپ اپنے یہاں بقدر ضرورت کم سے کم دینی تعلیم کا انتظام کریں، آپ کے شہر میں ایسے لوگ ہوں جو وقت پر مسئلہ بتا سکیں، اور مسلمانوں کو کوئی خطرہ پیش آ جائے، حلال و حرام، کفر و ایمان کا کوئی مسئلہ آ جائے، تو اس میں وہ رہنمائی کر سکیں، بتا سکیں کہ یہاں سے یہاں تک تو اسلام ہے، اس کے بعد کفر ہے، اور اگر تم سمجھنا چاہتے ہو تو ہم تمھیں بتاتے ہیں:

﴿قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ (سورة البقرة: ٢٥٦) یہ رشد ہے اور یہ غی ہے، یہ اسلام ہے اور یہ جاہلیت ہے، یہ بتا سکیں، اس کے بعد کرنا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔

عوام کی ذمہ داری

بنیاد رکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے بنیاد رکھ دی، ہماری ایک ذمہ داری ہوگئی، آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں، یہ بنیاد تو ہم آپ کی طرف سے رکھیں گے، گویا آپ کے ہاتھوں سے، آپ سب تو ہاتھ نہیں لگا سکتے، تو ہم آپ کی طرف سے آپ کی نیابت کریں گے، خدمت ہم کریں گے کہ وہ پتھر رکھ دیں، لیکن آپ کا کام ختم نہیں ہوتا، بلکہ سچ پوچھیے تو اس سے شروع ہوتا ہے، اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس مدرسہ کو ترقی دیں، باقی مشورہ کا معاملہ ہے، استاذوں کا مسئلہ ہے، کتابوں کا مسئلہ ہے، نصاب کا مسئلہ ہے، کبھی جلسوں میں آنے جانے کا مسئلہ ہے، اس کے لیے ہم حاضر ہیں، آپ کو شکر گزار رہنا چاہیے کہ ایک بہت بڑی اجتماعی معصیت سے، ایک قومی اور ملی کوتاہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بال بال بچا لیا، اگر یہ مدرسہ نہ ہوتا تو خدا کے یہاں پرسش ہوتی۔

اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لیے دینی تعلیم کا انتظام

اسی طریقہ سے یہ بھی آپ یاد رکھیں کہ بچوں کو خواہ وہ اس مدرسہ میں نہ پڑھتے

ہوں، اسکولوں میں پڑھتے ہوں، ان کی بقدرِ ضرورت دینی تعلیم کا انتظام آپ کے ذمہ فرض ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَ أَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ (سورة التحريم:٦) اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو جو تمھارے ماتحت ہیں، تمھارے ذمہ ہیں، ان سب کو آگ سے بچاؤ، یہ آپ کا فرض ہے، آپ ان کے لیے صبح شام کوئی انتظام کریں، کوئی ٹیوٹر Uvups رکھیں، کسی مولوی صاحب کی خدمات حاصل کریں، بہرحال ان کے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے آپ کو کچھ سامان کرنا چاہیے، ایسے ہی کچھ چیزیں اور ہیں، مثلاً اس ملک میں موجودہ دور میں، اور اس جمہوری ملک میں اور ایک ایسے ملک میں جہاں ہم اکثریت میں نہیں ہیں، جہاں بہت سی تحریکیں ہیں، جہاں تبدیلیاں جلدی جلدی آتی ہیں، بہت سے چیلنج سامنے آتے ہیں، اس ملک میں کس طرح ہم اپنے دین کو بھی بچا سکتے ہیں، اور اپنی عزت کو بھی بچا سکتے ہیں، اور اپنی جانوں کو بھی بچا سکتے ہیں، اس کے لیے کئی چیزیں ایسی ہیں جن کو آپ کو اختیار کرنا ہوگا، اور ان پر عمل کرنا ہوگا، لیکن اس وقت خالص دینی تعلیم کے تعلق سے کہتا ہوں کہ اس مدرسہ کو ترقی دینا، اس کو تکمیل کی منزل تک پہنچانا، اس کے منصوبے کو پورا کرنا اور اس کو اس قابل بنانا کہ یہ آپ کے پورے جوار کا، اس پورے نواح کا ایک مرکزی مدرسہ بن جائے، یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔

اسی طریقہ سے اپنے بچوں کو اردو سکھانا اور دینیات کی تعلیم دینا اور سیرت اور صحابہ کرامؓ اور دینی شخصیتوں سے واقف کرانا، اور کفر و ایمان کا فرق اور توحید و شرک کا فرق بتانا ضروری ہے۔

اسی طریقہ سے جو بالغ حضرات ہیں، ان کو اپنے دین کے لیے بھی اور دینی جذبات کو ترقی دینے کے لیے بھی اور دینی عزم پیدا کرنے کے لیے بھی تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنا اور ان کے اجتماعات میں شریک ہونا اور اس کو وقت دینا، دینی کتابیں پڑھنا، یہ سب بہت ضروری ہے، ورنہ ایسے ملک میں جیسا کہ ہندوستان ہے، بلکہ ایسے دور میں جس میں خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے، نظر چوکی، آنکھ جھپکی اور آدمی مارا گیا، ہر وقت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، اور اس میں بہت وسیع نظر رکھنے کی ضرورت ہے، اور گرد و پیش کے حالات کا

پورا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، زندگی کے دھارے سے الگ ہونا خطرناک ہے، اگر مسلمان ماحول سے کٹ گئے اور اپنے خول میں رہنے اور اپنی خیالی دنیا میں بسنے لگے، اور کہنے لگے کہ جو کچھ ہوتا ہے ہونے دیجیے، ہم تو نماز روزہ کرتے ہیں، اس طرح آپ اس ملک میں نہیں رہ سکتے، اس ملک میں ہر وقت حالات کو دیکھتے رہیں، اور اپنے مخلص رہنماؤں کی باتوں پر دھیان دینا ہے، جن کو صرف اس سے دلچسپی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس انعام سے سرفراز فرمایا، اور جو امانت ہمارے سپرد کی، وہ ہم محفوظ رکھیں، اور اس کو لے کر ہم دنیا سے جائیں اور سرخ رُو ہوں، جن کو صرف اس بات سے دلچسپی ہے، ان کے مشوروں کو آپ مانیں اور غور سے سنیں، اس ملک میں ہمیشہ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں، اور دیکھتے رہیں کیا ہو رہا ہے، کیا چیز ایسی پیدا ہو رہی ہے کہ جس سے ہم کو بھی، اور اگر ہم رہ بھی گئے تو ہماری آئندہ نسلوں کو مسلمان رہنا مشکل ہو جائے، اس کا برابر جائزہ لیتے رہنا چاہیے، ان الفاظ پر میں ختم کرتا ہوں۔ [۱]

---

(۱) ۲۵/نومبر ۱۹۸۳ء کو مدرسہ مطلع العلوم (اُجین) کی جدید عمارت کے سنگ بنیاد کے موقع پر کی گئی تقریر، ماخوذ از "تحفۂ دین و دانش" (ص ۱۳۱ تا ۱۴۱)۔

نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم اور علم کی بہار

تاریخ عالم کا ایک معمہ اور پہیلی

حضرات! تاریخ عالم کا ایک معمہ یا پہیلی ہے جو ابھی تک بوجھی نہیں جا سکی ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی علمی تحریک اور تصنیف و تالیف کا عظیم الشان سلسلہ جس کا اعتراف کرنے پر دنیا مجبور ہوئی، یہ سلسلہ ایک ایسے نبی کی ذات سے شروع ہوا جو خود ''اُمّی'' (ناخواندہ) تھا، اور اس نبی کے حصہ میں جو امت آئی، جس سے خدا کو کام لینا تھا (یعنی عرب) وہ بھی ناخواندہ تھی، جس نے علم کا دامن وسیع کیا اور اسے لعل و گہر سے مالا مال کر دیا، جس نے علم و تحقیق کے میدان میں نئی راہیں نکالیں، جو علمی ایجادات و اختراعات اور نادرہ کاری میں بے مثال ہے، مذاہب عالم کی تاریخ میں اور ادیان و مذاہب کی بنیاد پر قائم اقوام و ملل کی دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی، تاریخ کی یہ پہیلی اپنا حل چاہتی ہے، اور اس کا حل کچھ اتنا آسان بھی نہیں، اس کا کوئی حل پیش کیا جا سکتا ہے یا اس کی کوئی توجیہ کی جا سکتی ہے تو یہ کہ اللہ کی مرضی یہی تھی، اور اس کی حکمت یہی چاہتی تھی۔

یا یہ پہیلی اس طرح حل کی جا سکتی ہے کہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ (ﷺ) پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اسی میں علم کی طرف توجہ دلائی گئی تھی، اور یہ بھی ایک عجیب بات ہے اور دنیا کے فلسفیوں اور مفکرین کو دعوت فکر و تدبر دے رہی ہے کہ اس وحی میں سب سے پہلے جس چیز کا نام لیا گیا وہ قلم تھا، لکڑی کا ایک معمولی سا ٹکڑا جو عرب کی سرزمین میں ڈھونڈنے سے بمشکل مل سکتا تھا، اللہ تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف اپنی اس پہلی وحی میں فرماتا ہے:

﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ﴾ (سورة العلق: ۱-۵) ”آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے سب کو پیدا کیا ہے، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے، آپ پڑھیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی ہے، جس نے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جنھیں وہ نہیں جانتے تھے۔“

اس زمانہ کا کوئی بھی سمجھدار انسان جو جزیرہ نمائے عرب کے عام سماجی وثقافتی حالات سے واقف ہو، علم کی دنیا میں، تصنیف وتالیف کی دنیا میں، اس دنیا میں جو قلم کا استعمال کرتی ہے، تحریر سے کام لیتی ہے، اس دنیا میں عربوں کی حیثیت اوران کے مقام سے واقف ہو، اوراس عجیب وغریب صورت حال پر اس کی نظر ہو جس میں عرب زندگی گزار رہے تھے، وہ ہرگز اس کی توقع نہیں کرسکتا کہ رسول امی (ﷺ) پر جو پہلی وحی نازل کی جارہی تھی، اور کم از کم پانچ صدیوں کی طویل مدت کے بعد زمین کا آسمان سے تعلق قائم ہورہا تھا، یا زیادہ صحیح الفاظ میں آسمان کا زمین سے اتصال ہورہا تھا، اس میں قلم کا تذکرہ ہوگا، وہ قلم جو اس ماحول میں غیر معروف، جو عام طور پر استعمال بھی نہیں ہوتا تھا اور جس کی ضرورت بھی شاید ہی کوئی محسوس کرتا رہا ہو، یہاں تک کہ عربوں کا نام ہی ”اُمّی“ مشہور ہوگیا تھا، اور خود قرآن میں انھیں اسی نام سے موسوم کیا گیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ إِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُبِيْنٍ﴾ (سورة الجمعة: ۲)

”وہی جس نے امی لوگوں میں انھیں میں سے ایک پیمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور انھیں پاک کرتا ہے، اور انھیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔“

اور آپ کے متعلق صفائی سے بیان کیا گیا کہ یہ لوح وقلم کی اس دنیا سے بالکل ناآشنا ہیں:

﴿وَ كَذٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ رُوْحاً مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْإِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْراً نَّهْدِيْ بِهِ مَنْ نَشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَ إِنَّكَ لَتَهْدِيْ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ﴾ (سورة الشورى: ۵۲) ”اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس وحی یعنی اپنا حکم

بھیجا، آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے؟ لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنا دیا ہے، اس کے ذریعہ سے ہم ہدایت کرتے ہیں بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ راہ راست ہی کی ہدایت کر رہے ہیں۔"

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّا رْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ (سورة العنكبوت:٤٨) "اور آپ تو اس قرآن سے قبل نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے، ورنہ یہ حق ناشناس لوگ شبہ نکالتے۔"

ایک تاریخی تضاد

یہ ایک تاریخی تضاد ہے، دنیا کی تاریخ میں اور بھی تضاد ملتے ہیں، لیکن تاریخ کا غالباً یہ سب سے بڑا تضاد ہے کہ علمی سرگرمیوں کا یہ اُبال، یہ علمی جوش وخروش، تصنیف وتالیف کا یہ بیکراں سلسلہ، اور نبی امی کی امت میں؟؟ علم میں اس امت کا یہ انہاک اور علمی خدمات کا یہ بحر ناپیدا کنار جس کی تعبیر کے لیے مجھے مناسب الفاظ نہیں مل رہے ہیں، اور اس امت کا کوئی مخالف یا معاند جسے اس امت سے کوئی ہمدردی اور تعلق نہ ہو، جو اس کے لیے کوئی کلمۂ خیر پسند نہ کرتا ہو، وہ اسے جنون کا نام دے سکتا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ علم کی راہ میں یہ انہاک، یہ جفا کشی، یہ قربانیاں اور فداکاریاں اور یہ کارنامے اس نبی امی کی دعوت کے نتیجہ میں سامنے آئی ہیں جنھوں نے خود ایک کتاب بھی نہیں پڑھی تھی، اور صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ کے نام کے ساتھ لفظ "رسول اللہ" لکھنے پر اعتراض ہوا تو آپ کو پوچھنا پڑا کہ میرا نام کہاں ہے؟

نبی اُمّی کی امت کا علم سے اشتغال

سوال یہ ہے کہ ایسی زبردست آفاق کی پہنائی رکھنے والی، عالم گیر اور زمان ومکان دونوں کی بے پناہ وسعتیں رکھنے والی یہ علمی تحریک پیدا کیسے ہوئی؟ اس کے زمانی رقبہ کا طول و عرض بڑا وسیع ہے، اسی طرح مکانی رقبہ بھی علم اور تصنیف وتالیف کی تاریخ میں وسیع ترین رقبہ ہے، اور اس کا معنوی رقبہ ان دونوں سے بھی زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے، پھر اقسام علم اور موضوعات کے تنوع کے حدود بھی کچھ کم نہیں۔

مولانا محمود حسن ٹونکی کا کارنامہ

میں ایک مثال آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ ہندوستان کے ایک عالم مولانا محمود حسن ٹونکی نے ہندوستان میں بیٹھ کر ایک کتاب تصنیف کی جہاں عربی زبان نہ بولی اور سمجھی جاتی ہے، نہ یہاں کی دفتری زبان ہے، نہ سیاست وصحافت کی زبان، اللہ نے انھیں توفیق دی کہ عربی زبان میں ایسی تاریخی کتاب لکھیں، کتاب کا نام ہے: معجم المصنّفین، یہ کتاب ساٹھ جلدوں میں اور تقریباً بیس ہزار صفحات پر مشتمل ہے، اس میں کوئی چالیس ہزار مصنفین کے حالات درج ہیں، اور کتاب کی وسعت اور استقصاء کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں دو ہزار مصنفین وہ ہیں جن کا نام ''احمد'' ہے، اس کتاب میں ایک ہزار پچاس کتابوں کا خلاصہ اور عطر آ گیا ہے، اور اس میں عہد اسلامی میں تصنیف و تالیف کی ابتدا سے لے کر ۱۳۵۰ھ تک کے ان تمام لوگوں کا تذکرہ ہے، جنھوں نے عربی میں کوئی تصنیف یادگار چھوڑی ہے۔ (۱)

امت محمدی کی علمی فتوحات

علم کی یہ خدمت، یہ علمی سرگرمیاں اور یہ علمی فتوحات جس نے آفاق کی وسعتوں کو اپنی گرفت میں لے لیا، اور جغرافیائی حدود جس کے سیلاب کو نہیں روک سکے، کہاں ملیں گی، پھر یہ علمی سرگرمیاں اس مبارک امت کے حصہ میں کہاں سے آ گئیں جس کے محبوب نبی کا وصف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوباً عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ﴾

(سورة الأعراف:۱۵۷) ''امی نبی جسے وہ اپنے یہاں لکھا ہوا پاتے ہیں، توراۃ وانجیل میں۔''

اس کا راز یہ ہے کہ ''نبی امی'' پر نازل ہونے والی پہلی وحی نے علم کو سراہا ہے اور قلم کی تعریف کی ہے۔

دنیا کے قدیم مذاہب کا حال

حضرات! یہاں ہماری آپ کی اس دنیا میں ایسے مذاہب بھی ہیں جنھیں علم کی

(۱) اس کتاب کی چار جلدیں ریاست حیدر آباد کے خرچ سے بیروت میں چھپی تھیں۔

موت میں اپنی زندگی نظر آتی ہے، وہ علم کی شکست کو اپنی فتح و کامرانی اور علم کی ناکامی کو اپنی کامیابی اور ترقی سمجھتے ہیں، ان کے ساتھ علم کا اجتماع ایسا ہی ہے جیسے تیز و تند ہوا اور مچھروں کا ایک جگہ جمع ہونا، کہا جاتا ہے کہ مچھروں نے ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام کی عدالت میں ہوا کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ یہ تند و تیز ہوا ہم کو بہت تنگ کرتی ہے، اس کے مظالم سے ہم عاجز ہیں، جب بھی یہ ہوا چلتی ہے ہمیں راہ فرار اختیار کرنی پڑتی ہے، سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ مقدمہ کے فیصلہ کے لیے مدعی علیہ کی موجودگی ضروری ہے، اور ہوا بلائی گئی تو اس کے آتے ہی مچھروں کا کہیں کوئی پتہ نہیں تھا، پھر انھوں نے کہا کہ جب مدعی ہی غائب ہے، تو ہم اس میں فیصلہ کیسے دے سکتے ہیں؟ دنیا کے بہت سے قدیم مذاہب کا یہی حال ہے۔

اسلام کا معاملہ

لیکن اسلام کا معاملہ اس کے برعکس ہے، اسلام نے دین کی قسمت کو علم کے ساتھ اور علم کی قسمت کو دین کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے، ایک کی ترقی دوسرے کی ترقی کے ساتھ اور ایک کا انجام دوسرے کے انجام کے ساتھ مربوط ہے، دین علم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور صحیح علم کا دین کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام نے علم کی فتوحات میں اضافہ کیا ہے، اور علم کی اکائیوں (Unites) کو باہم مربوط و منسلک کرنے والی کڑی دریافت کر لی ہے، علم کی اکائیاں بکھری ہوئی تھیں، بلکہ ایک دوسرے کے متضاد اور باہم دست و گریباں تھیں، طبعیات کا علم دین کے خلاف سمجھا جاتا تھا، اور فلسفہ مذہبی عقائد کا مخالف تھا، لیکن ہمارے علماء نے اس تضاد و اختلاف کو دور کیا، ان میں باہم صلح کرادی، انھوں نے علم و حکمت اور دین و عقائد میں تطابق کے موضوع پر کئی کتابیں تصنیف کیں، اس طرح اسلام نے علم کی زبردست خدمت کی، اس کو ترقی دی، اور ہر زمانہ اور ماحول میں ترقی کرنے کی صلاحیت میں اضافہ کر دیا کہ اس کی اکائیوں کو جوڑنے اور باہم مربوط کرنے والی وحدت دریافت کر لی، یہ وحدت کیا ہے؟ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت ہے:

﴿وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورة آل عمران: ۱۹۱) ”اور آسمان اور زمین کی

پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تونے یہ سب لایعنی نہیں پیدا کیا ہے، تو پاک ہے، سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔"

اسلام نے ایک ایسی وحدت بھی تلاش کرلی ہے جو کائنات کی تمام اکائیوں کو باہم مربوط کرتی ہے، وہ اللہ کا ارادہ ہے، اللہ کے ارادہ کی وحدت کائنات کی تمام اکائیوں اور بظاہر مخالف ومتضاد عناصر کو ایک لڑی میں پرو دیتی ہے۔

اسلامی کتب خانے

حضرات! دنیا میں کتب خانوں کی تاریخ بڑی قدیم اور بڑی وسیع ہے، اور کتب خانوں کا قیام اور کتابوں کے ذخیرے جمع کرنا مسلمان علماء، امراء، اور روساء کی قدیم دلچسپی (Hobby) رہی ہے، تاریخ ادب عربی میں آتا ہے کہ صاحب بن عباد کے ذاتی کتب خانہ میں چھ ہزار دوسو کتابیں تھیں، [۱] عربی کے مشہور شاعر ابوتمام نے اپنی لازوال کتاب "حماسہ" عراق کے مشرقی علاقہ کے امیر ابوالوفاء بن مسلم کے کتب خانہ میں مرتب کی، ابوتمام وہاں سے گزر رہا تھا کہ برف باری کی وجہ سے راستے بند ہوگئے، اس نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ابوالوفا کے کتب خانہ میں موجود شعراء کے دواوین کا بہترین انتخاب جمع کیا، اور اس کا نام دیوان الحماسہ رکھا[۲]، اسی طرح اور بہت سی کتابیں ذاتی کتب خانوں میں لکھی گئیں، ہندوستان میں علماء اور تصنیف وتالیف سے شغف رکھنے والے ہی نہیں بلکہ امراء و روساء کو بھی کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا، [۳] ہندوستان کے بہت سے نواب، زمین دار اور تعلقہ دار انگریز کے زمانہ میں اور اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اپنے ذاتی کتب خانے رکھتے تھے، اگرچہ وہ خود ان سے کوئی خاص نفع نہیں اٹھا سکتے تھے، پھر بھی کتابیں جمع کرتے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ ان کے پاس ایک اچھا کتب خانہ ہے، اور بڑے علماء و محققین ان کے مہمان ہوتے ہیں، تو اس قیام سے اکتاہٹ نہیں محسوس کرتے بلکہ کتب خانہ میں موجود کتابوں سے دل بہلاتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(۱) معجم الأدباء ۹۷/۷، (۲) شرح الحماسة للتبريزي ۱/ ۵-۴، (۳) مثال کے طور پر نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی علی گڑھ اور نواب سالار جنگ حیدرآباد کے کتب خانوں کا ذکر کافی ہے۔

مختلف علوم وفنون میں مسلمانوں کی تصنیفات کا جائزہ پیش کرنے والی کتابوں کا مثلاً پانچویں صدی ہجری میں ابن ندیم کی "الفهرست"، گیارھویں صدی ہجری میں حاجی خلیفہ چلبی کی "كشف الظنون"، اور موجودہ دور میں کارل بروکلمان کی "تاريخ الأدب العربي" اور فواد سزگین کی "تاريخ التراث العربي" پر ایک نظر علمائے اسلام کے تصنیفی ذوق وشوق اور علوم کے مختلف موضوعات اور میدانوں میں ان کی جدوجہد کے ثمرات کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے، تصنیف وتالیف کی اس علمی اور مبارک تحریک میں اسلام کے مرکز اور علوم اسلامیہ کے اصل سرچشموں سے بہت دور، برصغیر ہند کا زبردست حصہ (Contribution) اس تحریک کی عالم گیری کی واضح ترین دلیل ہے، ہندوستان کے مشہور محقق ومؤرخ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ (م ۱۳۴۱ھ) کی کتاب "الثقافة الإسلامية في الهند" پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مختلف علوم وفنون پر علمی وتحقیقی کام میں ہندوستان کا کتنا اہم حصہ رہا ہے۔

ملت اسلامیہ کا امتیاز

علوم وفنون اور اقوام وملل کی تاریخ کے محدود مطالعہ کی حد تک مجھے نہیں معلوم کہ کسی بھی قوم نے صرف اللہ کی رضا کے لیے اور اخلاص کے ساتھ صرف علم کی خدمت کے لیے اس انہماک وشغف کا مظاہرہ کیا ہو جس کا ثبوت ملت اسلامیہ نے پیش کیا ہے۔

کتب خانوں کا کردار

نئی نسل کی تربیت اور اس کے ذہن وفکر کی تشکیل، ذوق کی ساخت وپرداخت میں اور اسلام کے وسیع اور عمیق مطالعہ اور فہم کی بنیاد پر قائم باشعور اصلاحی تحریکات کے قیام کے لیے ذہن اور زمین تیار کرنے میں کتب خانوں کا کردار بڑا اہم اور مؤثر ہوا کرتا ہے، اور ہمیں خدا کے فضل سے امید ہے کہ یہ کتب خانہ بھی اس اہم اور مبارک مقصد میں مفید ومعاون ثابت ہوگا۔ (۱)

---

(۱) متحدہ عرب امارات میں ایک اسلامی ودعوتی کتب خانہ کے افتتاحی اجلاس میں ۱۷ر نومبر ۱۹۸۳ء کو کی گئی ایک تقریر کا ترجمہ، بقلم مولانا نور عظیم ندویؒ، ماخوذ از ماہنامہ "رضوان"، لکھنؤ (شمارہ مئی ۱۹۸۴ء)۔

مسلمانوں کی عمومی تعلیم وتربیت

امیوں کی تعلیم وتربیت

سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت ایک ایسی قوم میں ہوئی جو تقریباً سب کی سب ناخواندہ تھی، یہاں تک کہ قرآن مجید میں نبی (ﷺ) کی بعثت وتعلیم کے تذکرے میں اس قوم کو امیین کے لقب سے یاد کیا گیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ إِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (سورة الجمعة:٢)

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ (سورة الجمعة:٢) ''وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انھیں میں کا بھیجا۔''

اس جہالت کے ساتھ ضلالت کے ایسے درجے میں تھی جس کے لیے قرآن مجید کے ان الفاظ سے زیادہ واضح اور کیا ہو سکتے ہیں:

﴿وَ إِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ﴾ (سورة الجمعة:٢) ''اور اس سے پہلے وہ صریح گمراہی اور بھلاوے میں پڑے ہوئے تھے۔''

﴿وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ (آل عمران:١٠٣) ''تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے۔''

اس خدا ناآشنا اور حرف ناشناس قوم کو صرف کتابی تعلیم دینی نہ تھی، بلکہ کتاب وحکمت کا عملی علم بخشنا، مہذب وآراستہ، پاکیزہ سیرت اور فرشتہ خصلت اور ساری دنیا کا معلم و ہادی ومصلح بنانا تھا۔

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (سورة الجمعة:۲) ''(رسول) ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، ان کو سنوارتا اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔''

اتنی بڑی قوم میں انقلاب کرنے کے لیے ایسی حالت میں کہ وہ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی کوئی رغبت و آمادگی نہیں رکھتی تھی، بلکہ کچھ سننے کے لیے بھی تیار نہ تھی، کوئی بڑی سے بڑی درسگاہ یا بکثرت درسگاہیں غیر مفید اور ناکافی تھیں، چہ جائیکہ اس وقت کسی ایک تعلیم گاہ کا سامان بھی نہ تھا، اور کسی ایک تعلیم گاہ کے لیے بھی معلم اور طالب علم موجود نہ تھے، پھر اگر کوئی ایسی تعلیم گاہ یا متعدد تعلیم گاہیں قائم بھی ہو جاتیں تو ظاہر ہے کہ ان کا فائدہ اور اثر محدود ہوتا، اور نتیجہ اس سے زیادہ کچھ نہ ہوتا کہ چند ذہین اور شوقین افراد پڑھ لکھ جاتے، ان میں علم کا زعم اور فخر پیدا ہو جاتا، اور وہ اپنے کو ایک نوع اور ممتاز طبقہ سمجھنے لگتے، اور اس طرح پوری قوم میں پھیلنے کے بجائے علم ایک جگہ بڑی مقدار میں جمع ہو جاتا۔

علم سے پہلے ایمان

رسول اللہ (ﷺ) نے اس عمومی انقلاب حال کے لیے اللہ کی ہدایت سے جو طریقہ اختیار فرمایا، وہ اپنی کامیابی اور نتائج کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے، اور اپنی حکمت و سہولت میں بھی، آپ نے اس میں پہلے دین کی طلب اور علم دین کی ضرورت کا احساس پیدا کیا، اور اللہ کے وعدوں پر یقین کرنا سکھایا، ایک صحابیؓ کا قول ہے:

''تَعَلَّمْنَا الْإِيمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ'' (۱): ''ہم نے پہلے اللہ کی باتوں پر یقین کرنا سیکھا پھر قرآن کا علم حاصل کیا۔''

اسی ایمان کی قوت اور اسی طلب صادق میں انھوں نے گھر چھوڑا، مشقتیں برداشت کیں، ان میں سے ہر ایک اپنی نجات اور ہدایت کے لیے ضروری علم حاصل کرنے

(۱) روى ابن ماجه في سننه عن جندب بن عبدالله قال: كنا مع النبي (ﷺ) و نحن فتيان حزاورة، فتعلمنا الإيمان قبل أن نتعلم القرآن، ثم تعلمنا القرآن فازددنا به إيماناً. (كتاب السنة، باب في الإيمان، حديث رقم ٦١)

کی کوشش کرتا، اس کے لیے سفر کو عبادت، اس کی مشقت کو جہاد اور اس کی راہ کی موت کو شہادت سمجھتا، اور ہر معلم اپنا دینی فریضہ سمجھ کر جو خود جانتا وہ دوسرے کو سکھاتا۔

متحرک اور عملی درسگاہ

اس تعلیم و تعلم کی ساخت شروع سے ایسی رکھی کہ علم کے ساتھ عمل، عمل کے ساتھ علم، علم کے ساتھ تعلیم اور تعلیم کے ساتھ تعلم کا سلسلہ چلتا رہتا، پوری اسلامی آبادی ایک متحرک اور وسیع عملی درسگاہ تھی، جس میں ہر ایک اپنے لیے طالب علم تھا اور دوسرے کے لیے معلم، اس علم کے سبق تنہائیوں میں نہیں یاد کیے جاتے تھے، بلکہ لوگوں میں یاد کرانے میں، دین کو لوگوں میں پھیلانے میں اور اس کی خاطر تکلیفیں جھیلنے اور اس راہ میں جو مصائب پیش آئیں ان کو خوشی سے گوارا کرنے میں، اس کے نقوش دل پر ثبت کیے جاتے تھے، تعلیم و اصلاح اور تزکیۂ نفس کا کام لوگوں کے ملنے جلنے، معاملہ کرنے اور عملی زندگی ہی میں انجام کو پہنچتا تھا، یوں سمجھیے کہ وہاں پانی میں پیرنے کے اصول و قواعد خشکی پر نہیں بتائے جاتے تھے، بلکہ زندگی کے منجدھار میں ڈال کر ہاتھ پاؤں مارنے کی مشق کرائی جاتی تھی، جس شخص نے کلمہ سیکھ لیا اور خدا اور رسول کو برحق مان لیا، وہ رزق طلبی کے بجائے خدا طلبی میں لگ گیا، اور اس نے غرض پروری کے بجائے دین پروری میں اپنی جان کو بے قیمت بنا دیا، وہ اسلام لاتے ہی آزمائشوں کی بھٹی میں پڑ گیا، اور امتحان کی کسوٹی پر چڑھ گیا، اور تھوڑی مدت میں خالص سونا بن کر نکلا۔

نقوش کے بجائے نفوس

یہ تعلیم عملی تھی، جو جہاد کے میدانوں اور کاروبار کی مشغولیتوں، خانگی زندگی کے جھمیلوں اور سفر کی منزلوں میں ہوتی تھی، اس تعلیم کا ذریعہ کتابوں کے جامد نقوش نہ تھے، بلکہ چلتے پھرتے نفوس تھے، جن کی صحبت و رفاقت سے ہر موقع اور ہر ضرورت کی عملی تعلیم ملتی، جن کے ساتھ رہ کر دین کے صرف نظریات و دسائل ہی معلوم نہ ہوتے بلکہ اس کا سلیقہ اور ملکہ پیدا ہوتا، جس طرح اہل زبان میں رہ کر زبان سیکھی جاتی ہے اور مہذب و شائستہ لوگوں کی

صحبت واختلاط سے تہذیب وشائستگی اور حسن معاشرت کی تعلیم حاصل کی جاتی تھی، اسی طرح اہل دین کے ساتھ رہ کر بالکل فطری طریقہ پر دین کی تعلیم وتربیت حاصل کی جاتی تھی، یہ دین کی تعلیم کا ایسا ہی فطری، سہل اور عمومی طریقہ ہے جیسا اہل زبان کی صحبت سے زبان سیکھنے کا۔

صحبت واختلاط سے دین اور علم دین سکھانا، کتابوں کے نقوش کے بجائے انسانی نفوس کے ذریعہ تعلیم دینا انبیاء (علیہم السلام) کا امتیاز اور آنحضرت (ﷺ) کی تعلیم کا بالخصوص طرز خاص ہے، آپ کے یہاں ایک کتاب سے لے کر دوسری کتاب میں نقل کرنا نہیں تھا، آپ صاحبِ عرش سے لیتے تھے، اور قلوب خلق پر لکھتے تھے، پھر ان کے ذریعے دوسروں کو تعلیم دیتے تھے، اس طرز سے بلا کسی ساز وسامان کے لاکھوں انسان بہت تھوڑے وقت میں ضروری علم حاصل کر سکتے ہیں، اور اس تعلیم میں بے عملی اور بے اثری کے وہ نقائص بھی نہیں ہیں جو محض نقلی تعلیم میں پائے جاتے ہیں۔

کتابیں حقیقت میں میزان کا درجہ رکھتی ہیں، جن سے غلطی اور صحت معلوم کی جاسکتی ہے، کیونکہ بقول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

> "مَنْ كَانَ مُسْتَنّاً فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ."(۱) (جس کو اپنے لیے کسی کو نمونہ بنانا ہو وہ سلف کو نمونہ بنائے، اس لیے کہ زندہ، دورِ آزمائش میں ہے، اس کی طرف سے تغیر کا اطمینان نہیں۔)

اور سلف کی اقتداء کا بڑا ذریعہ کتاب ہے، اس سے مطابقت ضروری ہے، مگر کتابوں اور قلمی صحیفوں سے پورا نفع صحبت اور عملی نمونہ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، اور صحبت اور عمل ہی سے ان کتابوں سے استفادہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے، لیکن غلطی یہ ہوئی کہ کتابوں ہی کو علم دین کے حصول کے لیے کافی سمجھا جانے لگا۔

نیز کتابی تعلیم پر اکتفا کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم دین کا حصول ایک نہایت دشوار اور

---

(۱) رواه رزين، كذا في مشكاة المصابيح للتبريزي، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب و السنة، حديث رقم ١٩٣

طویل عمل بن کر رہ گیا، اور اس کا دائرہ بہت محدود ہو گیا، مشغول اور معذور لوگ علم سے محروم اور اس کے حصول سے مایوس ہو گئے، اور امت کا ایک نہایت مختصر گروہ جو زندگی کا ایک معتد بہ حصہ مذہبی تعلیم کے لیے فارغ کر سکتا تھا اور اپنے کو اسی کے لیے وقف کر سکتا تھا، وہی دین کے تعلیم و تعلم کے لیے مخصوص و نامزد ہو کر رہ گیا، اور مسلمانوں کی بڑی جماعت علم دین سے بے بہرہ اور اس کے حصول سے بالکل ناامید ہو گئی۔

نیز اگر یہ صحیح ہے کہ معلم کا اثر متعلم پر پڑتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ کتابوں کے جامد نقوش سے جمود پیدا ہوگا اور متحرک و سرگرم انسانوں سے حرکت و سرگرمی اور عمل کی طاقت پیدا ہوگی، اسی طرح دین کا فہم صحیح اور حکمت عملی بھی صحبت و رفاقت اور حرکت و عمل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کہ ایک صحیح حرکت ہزار پردے اٹھا دیتی ہے۔

صحابہ کرامؓ نے صحبت و خدمت ہی سے دین اور علم دین حاصل کیا اور اپنے دین و علم کی خصوصیات میں قیامت تک ممتاز ہیں، ان کو دین کی حقیقت اور علم کی روح اور اس کا مغز حاصل تھا، ان کے اس امتیاز کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے الفاظ سے زیادہ گہرے اور سچے الفاظ نہیں مل سکتے:

"أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ (ﷺ)، كَانُوا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، أَبَرَّهَا قُلُوباً، وَ أَعْمَقَهَا عِلْماً، وَ أَقَلَّهَا تَكَلُّفاً."(۱)

"صحابہ اس امت میں سب سے افضل، سب سے زیادہ دل کے سچے، علم کے گہرے اور تکلف سے دور تھے۔"

علم دین کے لیے سفر و ہجرت

مندرجہ بالا خصوصیات کے علاوہ ایک خاص چیز یہ تھی کہ مسلمانوں کو ضروری علم دین حاصل کرنے کے لیے اپنے ماحول سے نکلنے اور ان مشاغل کو عارضی طور پر چھوڑنے کی دعوت دی گئی جن میں وہ منہمک تھے، اور جن کی موجودگی میں وہ علم کے لیے یکسو اور فارغ البال نہیں

(۱) أيضاً

ہو سکتے تھے، اور اس ماحول اور اپنے مخصوص حالات میں اپنی زندگی میں کوئی تبدیلی اور مؤثر انقلاب پیدا نہیں کر سکتے تھے، ہجرت کے بعد مدینہ ہی ایک ایسا مرکز تھا جس میں پورا اسلامی ماحول پایا جاتا تھا اور دین وہاں زندہ اور متحرک شکل میں دیکھا جا سکتا تھا، اس لیے عرب کے تمام نئے مسلمانوں کو اپنے اپنے مقامات سے اس اسلامی ماحول میں آنے اور دین سیکھ کر جانے کی دعوت دی گئی:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ (التوبة:۱۲۲)

''اور ایسے تو نہیں کہ مسلمان سارے کے سارے نکل جاویں، پس کیوں نہ نکلے ہر جماعت میں سے اس کا ایک حصہ تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں، اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب ان کی طرف لوٹ کر آئیں شاید کہ وہ بچیں اور ڈریں۔''

دین اور علم دین کے حصول کے لیے کسی درجہ کی عملی جدوجہد، مالی و جانی ایثار و قربانی اور جسمانی محنت و مشقت کی بھی شرط تھی، دین کی محبت و طلب صادق کا امتحان یہ تھا کہ انسان اس کی خاطر اپنے مالوفات کو (جن چیزوں سے وہ مانوس ہے) چھوڑ دینے کے لیے تیار ہو جائے کہ انسان کے لیے سب سے بڑا جہاد مالوفات کا ترک اور نفس کی مخالفت ہے، یہ بات ترک وطن میں بآسانی حاصل ہوتی ہے، کہ وطن صدہا مالوفات و مرغوبات کا جامع ہے اور اس کی مفارقت نفس پر بے حد گراں ہے، اسی کا نام قرآن و حدیث کی وسیع اصطلاح میں ''ہجرت'' ہے، منافقین کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (النساء:۸۹)

''ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک اللہ کی راہ میں وطن نہ چھوڑیں۔''

یہ آیت مدنی ہے اور یہ معلوم ہے کہ منافقین مدینہ اور اطراف مدینہ ہی میں پائے جاتے تھے، سورۂ توبہ کی آیت ہے:

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ، وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ﴾ (سورة التوبة:۱۰۱)

''بعضے تمہارے گرد کے گنواروں میں سے منافق ہیں، اور بعضے مدینہ والے، کہ نفاق پر پختہ اور خوگر ہو گئے ہیں۔''

اس لیے اس سے مراد یا تو اطراف و جوانب کے منافقین کی مدینہ کی جانب ہجرت ہے یا منافقین مدینہ کا راہ خدا اور جہاد فی سبیل اللہ میں عارضی ترک وطن اور مسافرت و غربت۔

حقیقت یہ ہے کہ ذاتی جدو جہد اور شخصی طلب اور عزم کے بغیر دین اور علم دین کے صحیح ثمرات حاصل نہیں ہونے پاتے، دین کی اللہ کے یہاں جو قدر ہے اس کے اور اللہ کی غیرت کے خلاف ہے کہ وہ کسی کو بلا طلب مل جائے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہدایت و رحمت کو اپنے راستہ میں جدو جہد کے ساتھ وابستہ کیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ الَّذِينَ هَاجَرُوا وَ جَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّٰهِ﴾ (سورة البقرة: ۲۱۸) ''جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے وطن چھوڑا اور لڑے اللہ کی راہ میں، یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔''

مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنے ایک گرامی نامہ میں ایک صاحب کو جو خط و کتابت کے ذریعہ استفادہ کرتے تھے تحریر فرمایا ہے:

> ''الأجر علی قدر النصب (اجر بقدر مشقت) ڈاکیوں کی اور وسائط کی دوڑ دھوپ ہرگز اپنی ذاتی مشقت کا بدل نہیں ہو سکتی، عادات خداوندی عموماً دین میں اپنی جدو جہد کی مقدار کے ساتھ وابستہ ہیں، آدمی کسی مقصد کے لیے جتنا اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے اور تکالیف کو جھیلنے کے ذریعہ اپنے حالات، جوارح، قلب اور قوتوں کی شکستگی اور تعب و انکسار کو پہنچتا ہے، اتنا ہی حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا سبب ہوتا ہے، کسی راہ کی ذلت کو اٹھائے بغیر اس کی عزت کو پہنچنا عادتاً نہیں ہوتا۔''

ایک دوسرے گرامی نامہ میں فرماتے ہیں:

> ''ہم مادیات میں اس وقت ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ طبائع کا طبائع سے حصہ لینے کا دستور چھوٹ چکا، اور عملی جدو جہد میں خون پسینہ

ایک کرکے اور جہد کا حق ادا کر کے جو شریعت کے تعلم وتعلیم کی اصلی صورت تھی معدوم کر کے اب افادہ واستفادہ بیچاری ایک زبان ہی کے اوپر رہ گیا ہے۔"

ایک تیسرے والا نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اللہ جل جلالہ، وعم نوالہ، نے اپنی سنت ازلیہ میں- جو ناقابل تبدیل اور غیر لائق تحویل ہے- ہدایت کو جدوجہد کے ساتھ وابستہ کردیا ہے، سو جدوجہد کرتے کرتے جو چیز خود طبیعت پر منکشف ہو، وہ طبیعت کا مشرح کرنے والا، حقیقتِ علم کو کھولنے والا، طمانیتِ حقیقیہ اور ذوقِ ایمان کا ذائقہ چکھانے والا، اور دل ودماغ کو کسی ناقابل بیان کیفیت سے متکیف اور حقیقت آشنا کرنے والا علم ہے، اور جو سچی اور واقعی بات بلا جدوجہد محض تقریر اور تحریر سے پیدا ہو وہ محض زعم کا پیدا کرنے والا علم اور حقیقت کا حجاب ہے جس کو بزرگوں نے "العلم الحجاب الأکبر" لکھا ہے، یہی راہ مولیٰ میں سدسکندری ہے۔"

دینی تعلیم اور دعوت کے لیے جدوجہد

قرآن وحدیث سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ دین کا ضروری علم حاصل کرنا، دین کی تعلیم دوسروں تک پہنچانا، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، اور دین کے فروغ اور عروج کی کوشش کرتے رہنا، ہر مسلمان کا فریضہ اور جزوِ زندگی ہے، عہد رسالت میں ہر مسلمان خواہ وہ کاشتکار ہو یا تاجر، فقیر ہو یا دولت مند، جاہل ہو یا عالم، طلبِ دین اور خدمتِ دین کے لیے کچھ وقت صرف کرتا تھا، فراغت وفرصت میں وہ کسب معاش اور ضروری مشاغل زندگی میں بھی مشغول رہتا تھا، لیکن دینی ضرورت کے وقت اس کو سارے مشاغل کو ملتوی کر کے اس میں شرکت کرنی ضروری تھی، جنھوں نے اس میں پہلو تہی کی یا اپنے مشاغل و مالوفات کو ترک نہ کرسکے ان کے عتاب سے سورۂ توبہ لبریز ہے، حضرت کعب بن مالکؓ جو

غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے، اس طرح معتوب ہوئے کہ اسی شہر مدینہ کو۔ جس کی رونق اور دلچسپیوں میں وہ باقی رہ گئے تھے۔ ان کے لیے عملاً شہر خموشاں بنا دیا گیا جہاں اس بھرے شہر میں ان سے کوئی بات کرنے والا اور ان کی بات کا جواب دینے والا نہ تھا۔

ایک بڑا انقلاب یہ ہوا کہ دین کا سیکھنا اور دین کی خدمت اور اس کے لیے سعی وعمل فرداً فرداً ہر مسلمان کا ضروری جزوِ زندگی اور فریضہ نہیں رہا، بلکہ مجموعی طور پر امت کے کاموں کا ایک جزو بن کر رہ گیا، اس کے لیے امت کے چند افراد مخصوص کر دیے گئے اور عام افراد اس سے مستثنیٰ اور معاف سمجھ لیے گئے، حالانکہ قرآن مجید میں مسلمانوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ (التوبة: ۷۱)

”اور ایمان والے مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں نیک بات سکھاتے ہیں، نماز کو قائم رکھتے ہیں، اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں۔“

اس موقع پر مسلمانوں کو ایمان کی صفت کے ساتھ یاد کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعمال مومنین کے عمومی کام ہیں اور ایمان کی علت ہیں۔

یہ تغیر ایک طرح کی عملی تحریف تھی جو مسلمانوں کی زندگی میں پیش آئی، عہد رسالت اور صحابہؓ میں کوئی ایسا استثناء اور تخصیص نہ تھی، طلب دین اور خدمت دین اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق ایک عمومی فریضہ تھا جس سے نہ مدینہ کا تاجر مستثنیٰ تھا، نہ کاشتکار و مزارع، انصارؓ کی ایک جماعت نے جب کچھ مدت کے لیے اپنے کاروبار کی اصلاح وخبر گیری اور گھر رہنے کے لیے جہاد سے رخصت چاہی کہ اب تو اسلام کی اشاعت بہت ہوگئی ہے، اور اس کے خدمت گزار بہت پیدا ہوگئے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (سورة البقرة: ۱۹۵) ”اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔“[۱]

گویا خدمت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی کوشش سے علاحدگی خودکشی کے مرادف ہے۔

---

(۱) روایت حضرت ابوایوب انصاریؓ، ابوداؤد (۲۵۱۲) وترمذی (۲۹۷۲)

اپنے مشاغل کے ساتھ دین کی تعلیم اور خدمت

دوسرا ایک خطرناک خیال یہ پیدا ہوگیا کہ ہم سب معاش کے ساتھ دین کا علم حاصل نہیں کر سکتے، اور دین کی خدمت انجام دینے کے اہل نہیں، اگر ہم اس کا حوصلہ رکھتے ہیں تو ہم کو اپنے معاشی مشاغل کو یک قلم خیر باد کہہ دینا چاہیے، ظاہر ہے کہ یہ قربانی اور یہ اہم اقدام بہت تھوڑے اہل ہمت کر سکتے ہیں، اس لیے دین کے طالب علم اور دین کے خادم کمیاب اور رفتہ رفتہ عنقا کی طرح نایاب ہونے لگے، اور عام مسلمان جو اپنے مشاغل اور اہل و عیال کی خدمت میں منہمک تھے اور ان کو ترک نہیں کر سکتے تھے، ناامید اور خدمت دین کی سعادت سے اپنے کو محروم سمجھنے لگے اور بالآخر ان مشاغل پر ان کو دنیاوی مشاغل سمجھتے ہوئے قانع ہوگئے، ﴿وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اطْمَأَنُّوا بِهَا﴾ (سورة یونس:۷) کے مصداق بن کر طلب علم کی سعادت وحصول دین کی نعمت اور خدمت دین کی دولت سے محروم دنیا سے خالی ہاتھ چلے گئے، حالانکہ صحابہ کرامؓ خدمت دین کے علاوہ اپنے معاشی مشاغل رکھتے تھے، ان میں بکثرت تاجر تھے، مزارع بھی تھے، اہل حرفہ بھی تھے، لیکن نہ انھوں نے طلب علم چھوڑا اور نہ دین کی خدمت سے مستثنیٰ ہوئے۔

ان میں جو لوگ خاص طور پر "قرّاء" طالب علم اور عالم کہلاتے تھے، ان کا بھی حال یہ تھا کہ دن کو مزدوری یا تجارت کرتے تھے، اور رات کو پڑھتے تھے:

عن أنس بن مالك قال: أفلا أحدثكم عن إخوانكم الذين كنا نسميهم على عهد رسول الله (ﷺ) القراء؟ فذكر أنهم كانوا سبعين، فكانوا إذا جنّهم الليل انطلقوا إلى معلّمٍ لهم بالمدينة، فيدرسون اللّيلَ حتى يصبحوا، فإذا أصبحوا فمن كانت له قوة استعذب من الماء و أصاب من الحطب، و من كانت عنده سعة اجتمعوا فاشتروا الشاة و أصلحوها فيصبح ذلك معلقا بحجر رسول الله (ﷺ) .

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ فرمایا: کیا میں تمھیں تمھارے ان بھائیوں کے متعلق خبر نہ دوں جن کو ہم رسول اللہ (ﷺ) کے زمانہ میں "قراء" کے نام سے پکارتے تھے، وہ تعداد میں ستر تھے، رات کو مدینہ میں اپنے استاد کے پاس جاتے اور صبح تک پڑھتے رہتے، صبح کو ان میں سے جو طاقتور ہوتے وہ میٹھا پانی بھر کر لاتے اور مزدوری کرتے، یا لکڑی کاٹ کر لاتے اور فروخت کرتے، جن کو گنجائش ہوتی وہ جمع ہوکر بکری خرید لیتے، اس کو بنا لیتے اور وہ رسول اللہ (ﷺ) کے حجروں کے پاس لٹکی رہتی۔ (۱)

اس طلب علم کا اتنا اہتمام تھا کہ اگر بعض لوگ روزانہ مجلس نبوی میں حاضر نہ ہو سکتے تو باری باری سے ایک دن حاضر ہوتے اور جو کچھ اس مجلس میں پیش آتا اس کی اپنے رفیق کے ذریعہ اطلاع حاصل کرتے، جس دن وہ حاضر نہ ہو سکتے اس دن ان کو ایک بے کلی سی رہتی، اپنے کام میں ہوتے لیکن "دست بکار دل بیار"، دل لگا رہتا کہ معلوم نہیں وہاں کیا ہو رہا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

إنّي كنتُ و جارٌ لي من الأنصار في حي بني أمية بن زيد -و هي من عوالي المدينة- و كنا نتناوب النزول على النبي (ﷺ)، فينزل يوماً و أنزل يوما، فإذا نزلت جئته من خبر ذلك اليوم من الأمر و غيره، و إذا نزل فعل مثله. (۲)

ترجمہ: "میں اور میرا انصاری پڑوسی بنی امیہ بن زید کے محلّہ میں (جو مضافات مدینہ میں تھا) رہتے تھے، ہم دونوں باری باری آنحضرت (ﷺ) کی مجلس میں حاضر ہوتے، ایک دن وہ حاضر ہوتا اور ایک دن میں، جس دن میں حاضر ہوتا اس دن کی اطلاع اور احکام وغیرہ اس کو پہنچا دیتا، اور جس دن وہ حاضر ہوتا اس دن کی اطلاعات اور احکام مجھے پہنچا دیتا۔"

(۱) رواه الإمام أحمد بن حنبل في مسنده: ۱۳۷/۳، حديث رقم ۱۲۴۲۹

(۲) صحيح البخاري، كتاب المظالم، باب الغرفة و العلية، حديث رقم ۲۴۶۸

طریق کار

(۱) بس آج یہ امت کی بڑی ضرورت ہے کہ دین کے سیکھنے کا نبوی اور فطری طریقہ دوبارہ زندہ کیا جائے، کتابی نقوش کے ساتھ زندہ نفوس سے استفادہ کو۔ جو کہیں زیادہ آسان اور عمومی طریق تعلیم ہے۔ ضم کیا جائے، متمکن دینی اداروں اور اسلامی درسگاہوں کے ماتحت کچھ چلتی پھرتی درسگاہیں، جیتی جاگتی خانقاہیں اور بولتے چالتے صحیفے ہوں جو علوم نبویہ کے ان سمندروں سے (دینی مدارس) مشکیں بھر بھر کر عام زندگی کی کشت زاروں میں تاجروں کی تجارتوں، مزارعین کی زراعتوں اور اہل صنعت کی صنعتوں میں دین کا آب حیات پہنچائیں۔

(۲) دین کے لیے عملی جدوجہد، علم کے لیے نقل وحرکت اور سعی وعمل کو۔ جس کا رواج مدت دراز سے جاتا رہا۔ پھر فروغ دیا جائے کہ اسلام کی فطری ساخت اور علم دین کی وضع وفطرت یہی ہے اور اللہ کی سنت اسی طرح جاری ہے۔

(۳) دین کی تعلیم وتعلم اور دین کی خدمت وسعی کو مسلمانوں کی زندگی کا جزو لاینفک بنانے کی کوشش کی جائے اور اس کی دعوت دی جائے کہ مسلمان اپنے مشاغل وفکر معاش کو اس کے ماتحت کر دیں کہ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (سورۃ الذاریات: ۵۶) کے ارشاد کے مطابق اصل زندگی یہی ہے اور ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۱۰) کی تصریح کے مطابق مسلمان اسی لیے پیدا ہوا ہے، البتہ اس سے جو وقت بچے وہ راحت اور بے کاری کے بجائے حصول معاش میں صرف کیا جائے کہ "إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ"[1] "اللہ تعالیٰ کمانے والے مومن کو دوست رکھتا ہے۔"

(۴) جو لوگ عموماً اپنے ماحول میں گھرے رہ کر اور اپنے مشاغل ومعمولات میں پھنس کر دین حاصل کرنے کے لیے وقت نہیں نکال سکتے، نہ اس کی طرف پوری توجہ کر سکتے

(۱) رواه البيهقي في شعب الإيمان، الثالث عشر من شعب الإيمان، باب التوكل بالله عز و جل و التسليم لأمره تعالىٰ في كل شيء، حديث رقم ۱۲۳۷

ہیں اور نہ اس کے پورے اثرات قبول کر سکتے ہیں، اس لیے ان کو عارضی ترک وطن اور غربت کے اختیار کرنے پر آمادہ کیا جائے جس میں وہ کچھ مدت کے لیے یکسو اور فارغ البال ہو کر دین حاصل کر سکیں اور اہل دین کی صحبت و خدمت سے استفادہ کر سکیں، ایک شرعی نظام اور ایک دینی زندگی میں رہنے کی ان کو عادت پڑ سکے، ان کے لیے اور ان کے رفقاء کے ذریعہ ایک بہتر دینی ماحول بنایا جائے جو ان کو اپنے وطن اور مشاغل میں میسر نہیں آ سکتا، ان کا یہ نکلنا خود ان کے لیے اور دوسروں کے لیے مفید و مبارک سبق آموز اور انقلاب انگیز ہو۔ (۱)

(۱) ماخوذ از 'ایک اہم دینی دعوت'، (ص ۵ تا ۲۰)۔

انسانی علوم کے میدان میں
اسلام کا انقلابی و تعمیری کردار

الحمد للّٰہ وحدہٗ و الصلاۃ و السلام علی من لا نبی بعدہٗ.

معذرت اور وضاحت

حضرات! سب سے پہلے تو میں انسانی علوم کے میدان میں اسلام کے کردار کو ''انقلابی'' قرار دیتے ہوئے اس لفظ کے استعمال کے لیے معذرت خواہ ہوں، کیونکہ اس لفظ سے منفی و تخریبی اور بعض اوقات شدید اعصابی دوروں کی ایک طویل تاریخ وابستہ ہے، اور یہ اسلام کے مثبت اور تعمیری و اصلاحی کردار اور اس کے ماخذ (وحی الٰہی) کے شایانِ شان نہیں ہے، جو ہر قسم کے ردِّ عمل اور جذباتیت سے بالاتر ہے، اس وحی کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے:

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ. (سورۃ فصلت: ٤٢) — دانا اور خوبیوں والے (خدا) کی اتاری ہوئی ہے۔

کچھ تحفظات و تفصیلات کے ساتھ اس لفظ کے استعمال کا جواز انسانی علوم کے میدان میں اسلام کے اس بنیادی و ہمہ گیر انقلابی کردار کی بنا پر ہو جاتا ہے جو اس نے جہالت کے ملبہ کی صفائی، فاسد بنیادوں کے انہدام اور علم و فکر انسانی کے مرغزار سے خودرو اور فالتو خس و خاشاک کے خاتمہ، مفاہیم و مطالب کی تصحیح، حقائق کی توضیح اور دنیائے علم و عقل کی بنائے کہن کی جگہ تعمیر نو کی شکل میں انجام دیا ہے۔

دنیائے قدیم کے عقائد عقلیات اور اخلاقیات کے جائزہ کی ضرورت

اسلام کے انقلابی و تعمیری کردار کی عظمت و وسعت کا محدود اندازہ اور اس کے کارنامے کا قدرے شعور اور اس کے مقاصد و مہمات کی تکمیل کی راہ میں پیش آمدہ مشکلات و موانع کا ادنیٰ ادراک بھی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ہم اس قدیم دنیا کا جائزہ لیں جس میں اسلام پیغام ہدایت لے کر آیا، اور ان عظیم پیشرو اقوام کی تاریخ پر کچھ روشنی ڈالیں جو کم سے کم ۵۰۰ ق م سے ۵۰۰ء (ایک ہزار سال) تک دنیا کی علمی و عقلی اور مذہبی قیادت کے منصب پر فائز رہیں۔(۱)

یونانِ قدیم اور دنیائے علم و عقل میں اس کا ساحرانہ و قائدانہ کردار

پوری دنیا کی علمی و فکری رہنمائی اور قیادت کرنے والے مکاتبِ فکر، اور متمدن دنیا میں مغربی یورپ سے لے کر برصغیر ہند کے آخری مشرقی کنارے تک کے دماغوں پر فرماں روائی کرنے والے ممالک کی صف اول میں ''یونان'' کا نام آتا ہے، ہمیں دنیا کی علمی و فکری تاریخ میں یونان کے سوا کسی ایسی قوم کا سراغ نہیں ملتا جسے علمی و فکری حلقوں میں ایسا مقام و احترام حاصل ہوا ہو، جس کو دنیا کے ذہن پر اپنا سکہ قائم کرنے کا ایسا طویل موقع ملا ہو، جس کو دنیا کے ذہین دماغوں نے مقدس و معصوم عن الخطأ ہونے کا درجہ دیا ہو، اور یہ صورت حال (فہم و شعور کے ساتھ یا تحیر و مرعوبیت کی بنا پر) تاریخ کی طویل مدت تک اور وسیع ترین رقبہ میں

---

(۱) فلسفۂ یونان کے عروج کا یہی زمانہ ہے، چنانچہ سقراط ۴۶۹ ق م میں پیدا ہوا اور ۳۹۹ ق م تک زندہ رہا، افلاطون ۴۲۷ ق م میں اور ارسطو ۳۸۵ ق م میں پیدا ہوا، اور فلسفہ و منطق، علوم ریاضیہ، طب و ادب میں یونانی مکتب فکر مشرق و مغرب کی براہ راست قیادت و رہنمائی چھٹی صدی مسیحی تک اور اس کے بعد تراجم کے ذریعہ (جب عربوں اور ایرانیوں نے اس کے افکار کی اشاعت اور اس کے علوم و فنون کی تعلیم و اشاعت کا بیڑا اٹھایا) صدیوں تک بالواسطہ مسلسل کرتا رہا۔

سیکڑوں ہزاروں برس تک قائم رہی ہو۔

یہاں قارئین کے سامنے بعض تاریخی شہادتیں اور فضلاء و محققین کے اعترافات پیش کیے جاتے ہیں، H.A.L. Fisher ''تاریخ عالم'' میں اپنے مقالہ ''دنیا کس حد تک یونان کی ممنون ہے؟'' میں لکھتا ہے:

''یورپین تہذیب کا منبع درحقیقت قدیم یونان ہے، اس کے مفکرین اور فن کاروں نے اپنے شاہکاروں میں انسان کو تلاش کیا اور فطرت کے معمہ اور حسن کی ترجمانی کی، یہاں اس قدر واضح حقیقت کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، علم کی تمام شاخیں خواہ ان کا تعلق ریاضی اور طب سے ہو، فلسفہ کی کسی شاخ مابعد الطبیعیات، منطق، اخلاقیات و نفسیات سے یا ادب کی کسی قسم کی ہو، ان سب کی بنیادیں یونانی ہیں، اگر ہم افلاطون اور ارسطو کے تعلیمی نظریات سے صرف نظر کرلیں تو بھی یونانی زبان کے تین لفظ حروف تہجی (Alphabet)، اسکول (School) اور علمِ تعلیم و تدریس (Pedagogy) یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ یونانی ہی علم وفن کی راہ دکھانے والے تھے، عیسائی دینیات پر سامی اثرات کو ملحوظ رکھنے کے باوجود لفظ (Theology) جو یونانی الاصل ہے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ بھی بنیادی طور پر یونانیوں کی دین ہے۔''(۱)

W.G.De Burgh اپنی کتاب The Legacy of The Ancient World (دنیائے قدیم کا علمی وتہذیبی ترکہ) میں لکھتا ہے:

''کسی قوم نے زندگی اور علم کی حقیقتوں کو اتنی صاف اور واضح بصیرت کے ساتھ نہیں سمجھا، اور نہ انھوں نے اتنی باریکی سے بیان کیا

(۱) Universal History of The World-(ed.. J.A. Hammerton) London, Vol.III P.1555

جتنا یونان کے حکماء اور ماہرین فن نے کیا، ان کی حیرت انگیز ذہانت نے انھیں علم وعمل کو اس طرح الفاظ کے ذریعہ ظاہر کرنے کے قابل بنایا کہ آنے والی نسلیں ان کی رکھی ہوئی بنیادوں پر مطمئن ہی نہیں بلکہ اپنی عمارت کھڑی کرنے کے لیے ان کی ممنون رہی ہیں۔"(۱)

فلسفہ وعلوم ریاضیہ میں قدیم ہندوستان کا مقام

اس سیاق میں یونان کے معاً بعد قدیم ہندوستان کا نمبر آتا ہے، اگر ہم علمی لحاظ سے ہندوستان کی تعریف میں اُن مبالغہ کرنے والوں سے قطع نظر بھی کرلیں جو ہر عظمت وعبقریت کو ہندوستانی ثابت کرنے کے درپے رہتے ہیں، اور جو کہتے ہیں کہ ہندوستان کے فلاسفہ و ماہرین ریاضیات فلسفہ، ریاضیات اور طب میں یونان کے استاد رہے ہیں اور یونان ان کا خوشہ چیں اور غاشیہ بردار رہا ہے، تب بھی اس میں شک نہیں کہ فلسفہ وعلوم ریاضیہ اور طب میں ہندوستان کا نمبر یونان کے فوراً بعد آتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں سرل ہنری فلپس Syril Henry Philips (سابق پروفیسر مشرقی تاریخ لندن یونیورسٹی) نے یہ اعتراف کیا ہے کہ:

"ہندوستان کا عظیم ترین کارنمایاں ذہنی وتہذیبی میدانوں میں ہے، اس کا مذہبی اور فلسفیانہ نظام اور سنسکرت ادب، انسانی ذہن کی سب سے پہلی کامیابی ہے، نحو وصرف (گرامر)، قانون، فن تعمیر، مجسمہ سازی، مصوری، مینا کاری، زیور بنانے، ہاتھی دانت تراشنے اور چوب کاری کو انھوں نے بہت ترقی دی، ہندوستان میں تو تک ہندسوں اور اس کے بعد صفر کے ذریعہ گنتی کا طریقہ معلوم کیا گیا۔"(۲)

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم کا مرتب William L. Langer ۳۲۰ء سے ۵۳۵ء تک کے ہندوستان کے رول کے بارے میں لکھتا ہے:

---

(۱) P. 117, London 1947 (۲) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۴ ص ۲۲۸ (۱۹۸۵ء ایڈیشن)

''اس عہد میں ادبی تحریک کو بہت ترقی ہوئی اور ادبی ذخیرہ میں بہت اضافہ ہوا، اور کالی داس جیسا شاعر پیدا ہوا، جس کے قصوں اور ڈراموں نے بڑی شہرت پائی اور دنیا کی کئی زبانوں میں ان کا ترجمہ ہوا، اس عہد میں دوسرے فنون نے بھی بڑی ترقی کی، مثلاً معماری، نقاشی و مصوری اور طب، علوم میں ہیئت و ریاضی، علم الجبر (Algebra) و ہندسہ کے اصول مرتب ہوئے، ایک ہندوستانی ماہر ریاضی آریہ بھٹ نے زمین کی گردش کا بھی دعویٰ کیا۔''(۱)

ایران اپنی وسعتِ سلطنت اور تمدن کے نقطۂ عروج پر

یونان و ہندوستان کے بعد ایران کا نمبر آتا ہے، جو رومن ایمپائر سے الگ ہونے والے بیزنطینی ایمپائر سے رقبہ، شان و شوکت اور دولت و ثروت میں کہیں بڑھا ہوا تھا، اور جس کی بنیاد ۲۲۴ء میں ''اردشیر'' نے رکھی تھی، اور وہ اپنے عروج کے زمانہ میں شام، خوزستان، میڈیہ، فارس، آذربیجان، طبرستان، سرخس، جرجان، کرمان، مرو، بلخ، سغد، سیستان، ہرات، خراسان، خوارزم، عراق، یمن پر حکمرانی کر رہا تھا، اور اس نے بعض ہندوستانی علاقوں کچھ، کاٹھیاوار اور مالوہ پر بھی کچھ عرصہ تک حکومت کی، ایرانی شہنشاہی نے چوتھی صدی مسیحی سے بڑی وسعت حاصل کر لی، اور اپنے شمال و مشرق کے دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی۔

طیسیفون (مدائن) اس ایمپائر کا دار الحکومت اور ایرانی شہنشاہ کی اقامت گاہ تھا، وہ مختلف شہروں (مدائن) کا مجموعہ تھا جیسا کہ اس کے عربی نام سے ظاہر ہے، وہ پانچویں صدی مسیحی سے اس کے بعد تک ترقی، تمدن اور خوش حالی کے نقطۂ عروج پر تھا۔(۲)

ایران بھی علوم عقلیہ و ریاضیہ کے سلسلے میں یونان سے مسحور و اس کا خوشہ چین تھا، تاریخ ایران قدیم کے ممتاز ترین ماہر مسٹر آرتھر کرسٹن سین Arthur Christensen

---

(۱) An Encyclopedia of World History P.140

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: ''ایران بعہد ساسانیان'' تصنیف آرتھر کرسٹن سین، ترجمہ: ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر اورینٹل کالج، لاہور

ڈنمارک اپنی کتاب ''ایران بعہد ساسانیان'' L'Iran Sous Les Sassanides میں لکھتے ہیں:

''مغربی ایران میں اور بالعموم ایشیا کے مغربی حدود پر یونانیت (یعنی عقائد یونانی) نے مختلف مذاہب میں ایک توافق کی صورت پیدا کر دی تھی۔''(۱)

Percy Sykas کی کتاب History of Persia میں ایران پر یونانی اثرات کے تذکرہ میں آتا ہے:

''نوشیرواں نے ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کے وہ فارسی ترجمے مطالعہ کیے جو اس کے حکم سے ترجمہ کیے گئے تھے، اس نے جندیشاپور میں ایک یونیورسٹی بھی بنوائی جہاں طب کا خصوصی مطالعہ ہوتا تھا، اس کے ساتھ فلسفہ اور دوسرے علوم بھی نظر انداز نہیں کیے گئے، ''خدائی نامک'' کتاب میں ایران کی معلوم تاریخ لکھی گئی، جس پر فردوسی نے اپنے شاہنامے کی بنیاد رکھی، ہندوستان سے پیلپائی (بیدبا) کی کتاب (جو حکایات لقمان کی پیشرو ہے) نیز شطرنج کا کھیل درآمد کیا گیا۔...... اس عہد میں ایران، مشرق و مغرب کے تبادلۂ افکار کا مرکزی مقام تھا۔''(۲)

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال لکھتے ہیں:

''یونانی فلسفہ- جو ایران کی سرزمین کے لیے ایک بدیسی پودا تھا- بالآخر ایرانی تفکر کا ایک جزو لاینفک بن گیا، اور مابعد کے مفکرین -جن میں ناقدین اور یونانی حکمت کے حامی بھی شامل تھے- ارسطو اور افلاطون کی زبان بولنے لگ گئے تھے، اور ساتھ ہی ساتھ وہ قدیم مذہبی

(۱) ایران بعہد ساسانیان ص ۲۷

(۲) History of Persia:Percy Sikas P.459 (London, 1930)

خیالات سے بھی بہت متاثر تھے۔"(۱)

دنیا کی قیادت کرنے والی تینوں اقوام کی زندگی کے عجیب تضادات

ظہور اسلام سے چند صدی پیشتر کی قدیم ترقی یافتہ اقوام کے عقلی و فلسفیانہ اور علمی و فنی احوال کا مختصر جائزہ لینے اور اس بلندی کی تصویر کشی کرنے کے بعد، جہاں اقوام و ملل کی فکری قیادت کرنے والی یہ قومیں اور مکاتب فکر پہنچے تھے، جس کے سبب دوسری قومیں ان کے خوان علم کی ریزہ چینی کرتی اور ان کے علمی نظریات و خیالات اور نتائج فکر کو علم و ذہانت کا سدرۃ المنتہیٰ سمجھتی تھیں، اور بعض اوقات بدیہی امور کی طرح (جن میں بحث و نظر کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی) آنکھ بند کر کے لیتی تھیں، ہم ان کے کچھ کمزور پہلوؤں اور ان کی عقلی و ثقافتی زندگی اور فکری و عملی نظام کے تضادات سے بھی بحث کریں گے، جن کا اس عقلی بلندی، فکری پرواز، دوررس علمی فتوحات اور علوم انسانی کے میدانوں میں ان کے محیر العقول کارناموں اور کامرانیوں کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں۔

یونانی اساطیر و خرافیات

عقل انسانی بلکہ مذہب و ثقافت کی تاریخ کے بڑے تضادات بلکہ عجائبات میں سے اس کائنات کے خالق و مدبر اور اس کی ذات و صفات کی معرفت اور دینی عقائد و الٰہیات کے بارے میں یونانی بوالعجبی بھی ہے، جیسا کہ یونان قدیم کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یونان، جس نے دنیا کو علوم طبیعیہ و ریاضیہ کا وافر سرمایہ فراہم کیا اور جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا کہ اس نے صدیوں تک دنیائے علم و فکر کی قیادت کی، وہ اپنی تاریخ کے بڑے حصہ میں کواکب و اصنام کا پرستار رہا، اور صدہا اوہام و خرافات میں گرفتار رہا، اس میں فکری پختگی اور قدیم مسلمات کو بلا تحقیق و تنقید نہ ماننے کی روایت کے ساتھ ساتھ ہر اُس عجیب و غریب، خلاف عقل و خیالی بات کے مان لینے کی بھی حیرت انگیز صلاحیت تھی جس کا تعلق عقیدہ اور

---

(۱) فلسفۂ عجم، ترجمہ کتاب Development of Metaphysics in Persia از علامہ اقبال، از میر حسن الدین ص ۱۵

قدیم روایتی مذہب سے ہوتا۔

جدید تاریخ نے یونانی علم الاصنام (Greek Mythology) اور اس کی قدیم بت پرستی سے پردہ اٹھادیا ہے، جس سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ یونان قدیم دیوتاؤں اور دیویوں کا بری طرح پرستار اور ان کے طلسم میں گرفتار تھا، وہاں ستارہ پرستی کے مندروں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا۔ (۱)

ڈاکٹر الفریڈ ویبر (Alfred Webber) اپنی کتاب ''تاریخ فلسفہ'' (History of Philosophy) میں یونان قدیم کے بارے میں لکھتا ہے:

''ٹھیک جیسے ایک بچہ اپنے ماحول کو ایک طلسمی دنیا بنالیتا ہے اور اپنے کھلونے اور لکڑی کے گھوڑے کو جاندار ہستیاں سمجھتا ہے، ایسے ہی نوع انسانی اپنی طفولیت میں نیچر کو اپنی ہی صورت کے مطابق بنالیتی ہے، (یہی حال کچھ یونان قدیم کا تھا۔) (۲)

وہ مزید لکھتا ہے:

''فلسفہ کا آغاز اس دن سے ہوتا ہے جس دن سے ان لوگوں نے جن کو ارسطو حکماء کہتا ہے، روایتی خداؤں کو قصہ کہانی قرار دیا، اور

---

(۱) اس تاریخی حقیقت سے بہت سے مسلمان متکلمین غافل رہے اور انھوں نے فلسفۂ یونان کو بلا استحقاق بڑی اہمیت دعزت دی اور اس کے دعاوی وقضایا کو علمی مسلمات سمجھتے رہے، اس نکتہ کی طرف استاذ محترم مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مقالہ میں بڑی باریک بینی کے ساتھ اشارہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''وہ فلسفہ جو مسلمانوں نے یہودی ونصرانی مترجموں سے حاصل کیا، وہ خالص نہ تھا، بلکہ ان کی آراء بھی اس میں شامل تھیں، اس فلسفہ کا کمزور ترین حصہ اس کی فلکیات و الٰہیات ہیں، ان کی فلکیات یونانیوں کی کواکب پرستی اور اساطیر سے ماخوذ ہیں، جسے انھوں نے فلسفہ بنادیا اور اسے فلسفیانہ اصطلاحات میں ادا کیا اور دلائل کے بجائے اوہام کا سہارا لیا، جیسے افلاک کی حرکت وطبیعت اور ان کی تاثیر کے دعوے وغیرہ۔'' (کتاب المعتبر في الحكمة الإلهية لأبي البركات هبة الله بن علي البغدادي) (م ۵۴۷ھ) میں علامہ سید سلیمان ندوی کا مقالہ ۳/۲۳۱

(۲) تاریخ فلسفہ ص ۸

اصول وعلل سے فطرت کی توجیہہ کی، فلسفہ دین ودانش کے معرکہ سے نمودار ہوا اور مذہب نے فلسفہ پر الحاد وبغاوت کا الزام لگا کر انتقام لینا شروع کیا، اس وجہ سے فلسفہ نے جلدی سے افسانہ وخرافات (میتھالوجی) کا جامہ نہیں اتارا، فلسفہ اپنے خیالات کا اظہار شاعروں کی سریلی زبان میں کرتا رہا، اوراس کے تصورات میں بھی اس ابدی اعتقاد کے نقائص موجود ہے جس سے یہ برآمد ہوا تھا۔"(۱)

جرمن فاضل ڈاکٹر ویلہلم وانسل (Wilhelm Vansel) لکھتا ہے:

"چونکہ ان کے مذہب میں تعلیم وعقائد کی نسبت پرستش زیادہ تھی، کوئی مسلم نظام عقائد موجود نہیں تھا، روایتاً ایک دیومالا چلی آتی تھی، جس میں زمانہ کے لحاظ سے تغیر وتبدل ہوتا رہتا تھا، اور عوام اور شعراء کا تخیل اس کی ہیئت بدلتا رہتا تھا۔"(۲)

اڈوف ہولم (Adolf Holm) اپنی کتاب "تاریخ یونان" میں لکھتا ہے:

"یونانی طبعاً جدت پسند تھے، اوران کے مذہب میں عقائد کو مطلق دخل نہ تھا۔"(۳)

اکابر علمائے اسلام کی اس حقیقت سے واقفیت

حجۃ الاسلام امام غزالی (م ۵۰۵ھ) یونانی فلسفیوں کے یہاں اس عجیب تناقض کا ادراک کرتے ہوئے ذات وصفات باری اور عقول وافلاک کے اس خودساختہ زائچہ اور شجرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، جو حکمائے یونان نے تصنیف کیا تھا، تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارا کہنا ہے کہ جو کچھ تم ذکر کرتے ہو، وہ مفروضات اور نگاہ تحقیق میں تہ بہ تہ ظلمات ہیں، اگر کوئی انسان اسے خواب کی طرح بیان کرے تو اسے اس کے سوءِ مزاج پر محمول کیا جائے گا، یا اگر ایسی باتیں

(۱) ایضاً ص ۱۱، (۲) مختصر تاریخ فلسفۂ یونان از ڈاکٹر وانسل ص ۱۴

(۳) تاریخ یونان مترجمہ ہارون خاں شروانی ص ۳۷۲/۲ (۴) تہافت الفلاسفۃ ص ۱۱۵

فقہی سلسلہ میں کہی جائیں (جو قیاسات پر مبنی ہوتا ہے) تو وہاں بھی وہ غیر معتبر باتیں قرار دی جائیں گی جو غلبۂ ظن کے لیے مفید نہیں ہوتیں۔''(۴)

وہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''میں نہیں سمجھتا کہ ان مفروضات کا انتساب کوئی مجنون بھی اپنی طرف گوارا کرے گا، چہ جائیکہ یہ عقلاء و فلاسفہ جو معقولات میں بزعم خود بال کی کھال نکالتے ہیں۔''(۱)

اس نکتہ کو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) نے بھی سمجھا تھا جب یہ فرمایا تھا کہ:

''معرفت الٰہی کے سلسلے میں یونانی بڑے ہی بدنصیب واقع ہوئے ہیں، اور اللہ، ملائکہ، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں جانتے اور اس بارے میں مثبت و منفی کچھ نہیں کہتے، البتہ اس بارے میں متاخرین فلاسفہ نے جو مختلف مذاہب سے وابستہ تھے، کچھ کلام کیا ہے۔''(۲)

یونان کے عقلی و مذہبی بحران کا سبب

یونان کی زندگی میں اس عقلی اضطراب و تضاد کا ذکر مصر کے ایک مسیحی ادیب و عالم جرجی زیدان نے اس طرح کیا ہے:

''یونانیوں نے یونانی خانہ جنگی کے بعد علم و فلسفہ کی طرف توجہ کی جو قریب ۲۷ سال تک جاری رہی تھی، اور جس کے اخیر میں ایتھنز پر مقدونیوں کا قبضہ ہو گیا اور اہل ایتھنز عزت کے بعد ذلیل ہو گئے، اس لیے انھیں عبرت اور ذلت کے احساس نے کائنات میں غور و فکر پر آمادہ کیا، اور اس طرح فلسفہ میں انھوں نے ترقی کی جس کا بانی و رہنما سقراط تھا۔ جنگوں کے بعد عموماً ادبی، علمی یا سیاسی نشأۃ ثانیہ ہوتی ہے، اس کے ساتھ ہی وہ پہلے سے بھی اس طرف متوجہ تھے، ایتھنز کی اس ذلت کے

(۱) ایضاً ص ۱۲۴ (۲) تفسیر سورۃ الإخلاص ص ۵۷

سبب اس کے باشندوں میں ایک اضطراب برپا ہوگیا، انسان پر جب کوئی لاعلاج مصیبت آتی ہے تو زندگی اور اس کی حقیقت کی فلسفیانہ تحلیل وتجزیہ میں مصروف ہوجاتا ہے، اور اس طرح اپنا غم ہلکا کرتا ہے، خصوصاً ایتھنز کو عزت ورفعت کے بعد بڑی ذلت سے سابقہ پڑا اور اس کے سقوط کے بعد اس کے باشندے اپنے ماضی کی طرف افسوس اور مستقبل کی طرف خوف کے ساتھ دیکھ رہے تھے، اس کے قدیم فخر کے اسباب ختم ہوچکے تھے، اور ان کی کوئی نئی حکومت نہیں قائم ہوسکی تھی۔

اس وجہ سے ان کے ذہن اور ان کی طبیعتیں انسانی احوال پر عموماً اور اپنے حالات پر غور کرنے کی طرف خصوصاً متوجہ ہوئیں، اور اس بیداری کا رخ ادب وفلسفہ کی طرف تھا، چوتھی صدی قبل مسیح میں وہ لوگ اپنے ماحول کے مطابق علمائے متقدمین کی رایوں سے بحث کررہے تھے، مگر اس کے ساتھ ہی ان کی طبیعتیں اس میں اضافہ کی خواہش مند تھیں۔''(۱)

ہندوستان میں دیوی دیوتاؤں کی کثرت

جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ ہندوستان، فلسفہ وعلوم ریاضیہ اور طب میں فائق اور یونان سے ہمسری کا مرتبہ رکھتا تھا، اسی طرح وہ اپنے دیومالا (Mythology) میں بھی بہت آگے اور اس معاملہ میں دوسرے ملکوں کا رہنما تھا، یہاں دیوی دیوتاؤں کا شمار وحساب نہ تھا، ہر عجیب وخوف ناک یا نفع بخش چیز قابل پرستش تھی، اس کے نتیجہ میں بت سازی وصنم تراشی کی صنعت کو یہاں بہت فروغ حاصل ہوا، ماہرین نے اس میں بڑی کارگیری دکھائی۔

مسٹر مالے (L.S.S.O. Malley) ''ہندوئیت عوام اور جمہور کا مذہب'' میں لکھتے ہیں:

''دیوتا بنانے کا عمل اسی حد تک نہیں رہا، بلکہ دیوتاؤں کے اس

(۱) تاریخ آداب اللغة العربية: جرجي زيدان صـ ۲/ ۳۲۰

جم غفیر میں مختلف تاریخی ادوار میں چھوٹے موٹے دیوتاؤں کا برابر اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ ان کی تعداد بے شمار ہوگئی، ان میں سے بہت سے قدیم ہندوستانیوں کے دیوتا تھے جو ہندو مذہب کے دیوتاؤں میں شامل کر لیے گئے تھے، اس طرح کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد ۳۳ کروڑ (۳۳۰ ملین) ہوگئی۔"(۱)

مسٹر ویدیا (C.V.Vaidya) اپنی کتاب "تاریخ ہندوسطیٰ" میں لکھتے ہیں:

"ہندو مذہب اور بودھ مذہب دونوں ہی بت پرست تھے، بلکہ بت پرستی میں بدھ مت ہندومت سے آگے بڑھا ہوا تھا، بودھ مت کی ابتدا تو دیوتاؤں کے انکار سے ہوئی تھی، لیکن بتدریج بودھ کو خود بڑا دیوتا بنا لیا گیا، پھر وقت گزرنے کے ساتھ دوسرے دیوتاؤں کا بھی اضافہ کر لیا گیا۔"(۲)

ایران کی مذہبی انتہا پسندی

ایرانی بھی ہر زمانہ میں ثنویت پرست رہے ہیں، دو خداؤں کو ماننا گویا ان کا شعار رہا ہے، جن میں سے ایک نور یعنی خیر و نیکی کا خدا تھا، جسے وہ "آہورمزدا" یا "یزدان" کہتے تھے، دوسرا تاریکی یا شر کا خالق تھا، جسے "اہرمن" کہا جاتا تھا، اور جن کے درمیان جنگ ہمیشہ برپا سمجھی جاتی تھی۔

ایرانی مذہب کے مؤرخین ایرانی مجموعۂ اساطیر اور ان کے دیوتاؤں کا ذکر کرتے ہیں، جو اپنے انوکھے پن اور باریک تفصیلات کے اعتبار سے یونانی علم الاصنام یا ہندوستانی دیو مالا سے کچھ کم نہیں ہے۔(۳)

مجوسی قدیم زمانہ سے عناصر طبیعیہ خصوصاً آگ کی پرستش کے لیے مشہور رہے ہیں،

---

(۱) L.S.S.O.Malley: Popular Hinduism, The Religion of The Masses, (Cambridge, 1935, P.P. 6-7

(۲) C.V.Vaidya, History of Medieval India, Vol:I (Poona, 1921)

(۳) ایران بعہد ساسانیان از آرتھر کرسٹن سین ص ۲۰۴-۲۰۹

اوراخیر زمانہ میں تو وہ آتش پرست ہی ہو کر رہ گئے تھے، جس کے لیے وہ آتش کدے بناتے تھے، جو ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تھے، اوراُن کے بڑے آداب ورسوم تھے، اس طرح آتش پرستی اور سورج پوجا کے سواوہاں کے تمام مذاہب ختم ہو گئے، اور مذہب صرف چند رسوم وروایات کا نام رہ گیا، جنھیں وہ مخصوص جگہوں پر انجام دیتے تھے، معبدوں سے باہر وہ آزاداور خود مختار تھے، اور مجوس ولامذہب لوگوں میں کوئی فرق نہ تھا، جن کا اخلاق واعمال صالحہ میں کوئی حصہ نہ تھا۔ (۱)

پروفیسر آرتھر کرسٹن سین ایرانی مذہب کے بارے میں لکھتا ہے:

> ''آریوں کے قدیم مذہب کی بنیاد عناصر، اجسام فلکی اور قدرت کی طاقتوں کی پرستش پر تھی، لیکن قدرت کے ان معبودوں کے ساتھ ہی جلد نئے خدا بھی شامل ہو گئے جو اخلاقی قوتوں کے نمائندے تھے، یا ذہنی تصورات کے مجسمے تھے۔'' (۲)

علامہ اقبال نے ایرانیوں کی بے چین و بے قرار طبیعت کا اچھا تعارف کرایا ہے، جس کا اظہار ان کی زندگی اوران کے مذہب وادبیات میں ہوتا رہا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''ایرانیوں کا تتلی کا سا بیتاب تخیل گویا ایک نیم مستی کے عالم میں ایک پھول سے دوسرے پھول کی طرف اڑتا پھرتا ہے، اور وسعت چمن پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالنے کے ناقابل نظر آتا ہے، اسی وجہ سے اس کے گہرے سے گہرے افکار وجذبات غیر مربوط اشعار (غزل) میں ظاہر ہوتے ہیں جو اس کی فنی لطافت کا آئینہ ہیں۔'' (۳)

علم وحکمت کے مراکز میں اخلاقی پستی اور معاشرتی انارکی

دوسری باعثِ حیرت و استعجاب حقیقت جو ان تین قوموں اور ملکوں (یونان، ہندوستان وایران) کی زندگی میں مشترک ہے، وہ ان کی اخلاقی پستی، جنسی بے راہ روی اور

(۱) ایضاً (۲) ایران بعہد ساسانیان ص ۳۰

(۳) فلسفۂ عجم از ڈاکٹر محمد اقبال ص ۱۳-۱۴

سفلی خواہشات کی غلامی ہے، اس طرح وہ ممالک بیک وقت فکری بلندی اور اخلاقی پستی کا نمونہ بنے ہوئے تھے، اور اس بد اخلاقی سے فلسفیانہ غور و فکر، علمی فتوحات کی لذّت اور اخلاقی اقدار بھی نہیں روک سکتی تھیں۔

یونان کا اخلاقی انحطاط

یونان کے سلسلے میں اخلاق یورپ کے مشہور مؤرخ مسٹر لیکی (W.E.H. Lecky) کی شہادت کافی ہے، جو انھوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''تاریخ اخلاق یورپ'' میں دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''لیکن یونانی زندگی کی بوالعجبی یہ ہے کہ یہاں شہوت پرستی اپنے شباب پر مشاہیر حکمائے اخلاق کی نظروں کے سامنے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ انھیں کے ظلّ عاطفت میں پہنچی، اگر آج ہم سے کوئی بیان کرے کہ پیرس کی مشہور طوائف نینا ڈی رنکلو کے کمرہ میں پیرس کے دیندار اساطینِ مسیحیت بیٹھے ہوئے اُسے اُس کی دکان عصمت فروشی کی رونق اور ترقی سے متعلق مشورے دے رہے ہیں، تو ہم میں سے ایک شخص کو بھی اس روایت پر یقین نہ آئے گا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ بعینہ یہی تعلق سقراط اعظم اور طوائف تھیوڈوٹا کے درمیان تھا۔''(۱)

وہ مزید لکھتا ہے:

''فلاسفہ کی تشکیک نے قدیم مذاہب کی جڑ کاٹ دی تھی، مشرقی تعیش اور مشرقی بداخلاقیوں کا ایک سیلاب آ گیا تھا، اور ایسی حالت میں زناکاری کے واقعات خاص طور پر نمایاں اور کثیر التعداد ہو گئے تھے۔''(۲)

معتبر تاریخوں سے ارسطو اور اس کے بعض یونانی طوائفوں سے ناجائز تعلقات، اسی طرح افلاطون اور بعض دوسرے بڑے فلاسفۂ یونان مثلاً سقراط وغیرہ کے

(۱) تاریخ اخلاق یورپ، ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادی ۲/۱۷۵-۱۷۶

(۲) ایضاً ۲/۱۹۲

ناجائز جنسی تعلقات اور بداخلاقی کے واقعات سامنے آتے ہیں جن سے جبین حیا عرق آلود اور چہرۂ ادب سرخ ہو جاتا ہے، دین واخلاق جیسے سنجیدہ موضوع اور اسلام کے اصلاحی وتربیتی کردار سے بحث کرنے والے کے لیے ان شہادتوں کو نقل کرنا بھی دشوار اور اس کے ضمیر پر بار ہے، اس لیے وہ قارئین کو اصل ماخذ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔(۱)

ہندوستان کی اخلاقی حالت

ہندوستان کے بارے میں مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ہندوستانی معاشرہ چھٹی صدی مسیحی کے شروع میں اخلاقی انحطاط کے آخری نقطہ پر پہنچ گیا تھا،(۲) اور مندروں تک میں فحاشی پھیل گئی تھی، اور یہ کوئی عیب کی بات بھی نہ رہی تھی، کیونکہ اسے عبادت کا رنگ دے دیا گیا تھا۔(۳)

ایک فاضل ہندو مؤرخ ودیادھر مہاجن لکھتے ہیں:

> ”عوام محنت سے جی چرانے لگے تھے، اور اپنا وقت رنگ رلیوں میں صرف کرتے تھے، اس دور میں ”وام مارگ“ دھرم عوام میں مقبول تھا، جس کے ماننے والے ”کھاؤ پیو اور خوش رہو“ کے اصول پر کاربند تھے، وہ شراب نوشی، گوشت خوری اور عورتوں سے لطف اندوزی میں مست تھے، یہ خرابیاں علمی درسگاہوں تک میں سرایت کر چکی تھی۔
> یہ بات بھی صحیح ہے کہ مٹھ جو پہلے علم کے مراکز ہوتے تھے، اس وقت کاہلی اور عیاشی کے گڑھ بن گئے تھے، اکثر وبیشتر پجاری غیر اخلاقی زندگی گزارتے تھے، اور غیر شادی شدہ لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد مندروں میں بتوں کی خدمت کے لیے وقف تھی، جن کی وجہ سے مندروں میں بداخلاقی کا چلن ہو گیا تھا، مندروں میں دیوداسیوں کا رواج عام تھا،

(۱) ملاحظہ ہو: Hanshicht: Sexual Life in Ancient Greece , London, 1942
(۲) ملاحظہ ہو: Ancient India By R.C. Dutta
(۳) ستیارتھ پرکاش از دیانند سرسوتی ص ۳۴۴

> اسی زمانہ میں تانترک (Tantrik) لٹریچر وجود میں آیا، جو انتہائی فحش تھا، اور جس کی وجہ سے لوگوں کے اخلاق پر یقیناً برا اثر پڑا۔"(۱)

ایران کا اخلاقی زوال

اسی طرح ایران بھی اخلاق و شرافت کے ساتھ مذاق اور کھیل کا کھلا اسٹیج تھا، جہاں زندگی سے لطف اندوز ہونے اور زیادہ سے زیادہ مسرتیں حاصل کر لینے کی دوڑ ہو رہی تھی، اسی اثناء میں پانچویں صدی مسیحی کے اوائل میں مزدک کا ظہور ہوا، جس نے زر، زن، زمین کے ملک عام ہونے کا فلسفہ پیش کیا اور ان کو دولت مشترکہ قرار دیا۔

ایران کی ایک تاریخی دستاویز میں جس کا نام "نامۂ تنسر" ہے، اس عہد کی یہ تصویر پیش کی گئی ہے:

> "عصمتیں برباد ہوگئیں، بے شرمی عام ہوگئی اور ایک ایسی نسل پیدا ہوگئی جس میں نہ شرافت تھی، نہ حسنِ عمل تھا، اور جس کے یہاں اصل و نسل کا کوئی سوال نہ تھا، نہ اس کا ماضی ہی قابل احترام تھا۔"(۲)

اس طرح ایران اخلاقی انارکی اور شہوت پرستی میں بری طرح مبتلا ہوگیا، وہ رندی و تقویٰ کے درمیاں گویا مسلسل جھولا جھول رہا تھا، وہ رشتے (جن کے ناقابل تصور ہونے کے عقیدہ پر اقالیم معتدلہ کے لوگوں کا اتفاق ہے) موضوع بحث و نزاع بن گئے تھے اور بے محابا بہنوں اور بیٹیوں سے ازدواجی تعلقات قائم کیا جاتا تھا۔

علم و فکر کی قائد اقوام کی حیرانی و سرگردانی اور منفی و متضاد فلسفے

دنیا ان تین ممالک کے دور ترقی و عروج کا (جنھوں نے طویل مدت تک علم و فلسفہ اور ادب و سائنس میں دنیا کی قیادت کی) تیسرا کمزور اور لائق تنقید پہلو یہ ہے کہ علم و فن، تحقیق و اکتشاف اور ایجاد و اختراع کی راہ میں ان کا طویل اور تھکا دینے والا سفر، جو ہر طرح انصاف

---

(۱) Muslim Rule in India: V.D.Mahajan, P.34-35, Delhi, 1970

(۲) "نامۂ تنسر" مینوی ایڈیشن ص ۱۳

پسند اور علم دوست لوگوں کی قدردانی وستائش کا مستحق ہے، بے مقصد ومنزل، اور بے بصری و بے خبری پر مبنی تھا، اس لیے کبھی وہ حیرت واضطراب اور کبھی منفی فلسفوں تک پہنچا دیتا تھا، چنانچہ اس نے یونان کو لاادریت (Agnosticism) اور کبھی اباحیت ولذتیت (Epicureanism) تک پہنچایا، جو دنیا سے لطف اندوزی اور لذت کوشی ہی کو ''خیر اعلیٰ'' اور ترک واختیار کا معیار قرار دیتا تھا، اور کبھی وہ سفسطائیت (Sophism) کے دامن میں پناہ لیتا تھا جو ثابت ومسلم حقائق تک پہنچنے کے امکان ہی کا انکار کرتی ہے، اس کے نزدیک حقیقت شخصی اور غیر معین شے ہے، اور افراد کے اختلاف کے مطابق بدلتی رہتی ہے، ان تعلیمات کے نتیجہ میں اخلاق کے مسلمہ پیمانے ٹوٹ گئے اور بدیہیات ومسلمات بھی مشکوک ہوگئے۔

خلوت نشینی، تفکر (دھیان گیان)، ذکاوت وذہانت اور تجرد ونفس کشی پر مبنی روحانی سفر نے ہندوستان کو ''جین مت'' (Jainism) تک پہنچایا جس کا ظہور چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا، اور جو زیادہ تر منفی اخلاقی تعلیمات پر مبنی ہے، اور جس میں شخصی ملکیت کی ممانعت، ایذا رسانی حتی کہ حشرات الارض اور کیڑے مکوڑوں کے مارنے سے بھی پرہیز کی تعلیم تھی، پھر ہندوستان مہاویر کے عہد میں تجرد اور پرمشقت رہبانیت تک پہنچا، اسی عہد میں (۶۰۰ ق.م.) میں گوتم بدھ کا ظہور ہوا، جن کی تعلیمات برہمنی اور طبقاتی نظام کے ردعمل، رہبانیت اور گیان دھیان میں مبالغہ پر مبنی تھیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ بدھ مت کی ابتداء دیوتاؤں کی نفی سے ہوئی، مگر اس میں بتدریج گوتم بدھ ہی سب سے بڑے دیوتا بن گئے، اور بعد میں پھر اور دیوتاؤں کا بھی اضافہ ہوتا گیا۔''(۱)

اس طرز فکر نے ایران کو زرتشتیت تک پہنچایا، جس کی جانشین مزدکیت ہوئی جو نور و ظلمت اور خدایان خیر وشر کے ابدی معرکہ کے تصور پر قائم تھی، پھر مانی آیا جس نے دنیا سے شر وفساد ختم کرنے کے لیے اور قطع نسل کے ذریعہ نور کو ظلمت پر ترجیح دینے کے لیے تجرد کی زندگی کی دعوت دی، یہ تیسری صدی مسیحی کے اوائل کا رجحان تھا، پھر پانچویں صدی مسیحی کے اوائل میں مزدک نے زر، زن، زمین کے ملک عام ہونے کا اعلان اور اشتراکیت کی کھلے عام

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ ہندوسطیٰ از دیدیا، پونا (۱۹۲۱ء) ص ۱۰۱

دعوت دی، جس کے نتیجہ میں کسانوں میں بغاوت پیدا ہوئی، لٹیروں کو چھوٹ مل گئی، اور کھیتیاں ویران ہوگئیں۔ (۱)

ایران قدیم اپنی تاریخ کے اکثر حصے میں کبھی انتہا پسند دعوتوں، تحریکوں اور سخت رد عمل کے زیر اثر رہا، وہ کبھی کسی نسلی، طبقاتی یا دینی آمریت، کبھی انتہا پسند اشتراکیت یا مطلق لاقانونیت کے ماتحت رہا ہے، اور یہ سب ہدایت و رہنمائی و کامل و بے خطا رہنما سے محرومی اور کسی صاحب بصیرت "مُؤَیَّد مِنَ اللہ" قائد کے بغیر سفر کا نتیجہ تھا۔

عملی وواقعاتی زندگی سے دور بکھری ہوئی علمی اکائیاں

اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم وفنون، شعر و ادب، فلسفہ و منطق، ریاضیات اور Engineering، جغرافیہ و تاریخ کے مختلف مکاتب خیال منتشر اور کبھی متضاد اکائیاں بن کر رہ گئیں، جن کے مقاصد و نتائج، سیرت و اخلاق کی تربیت اور انسان و کائنات کے بارے میں نقطۂ نظر کا بڑا فرق تھا، اور ان میں کوئی ربط باہمی اور مفاہمت بھی نہ تھی، چہ جائیکہ انسانی سعادت، صالح معاشرہ اور صحت مند تمدن کی تعمیر اور مخلوق کو خالق اور کائنات کو اس کے مالک سے ملانے کے سلسلے میں کوئی اشتراک و تعاون ہوتا، اس طرح اس فکر و ثقافت کے ائمہ و اساتذہ تغیر پذیر عملی زندگی، متحرک و نمو پذیر معاشرہ سے بے تعلق اور حکومتوں کے رویہ سے (جن میں کمتر عادل اور بیشتر ظالم ہوتی تھیں) آنکھیں بند کرکے اپنی محدود خیالی اور مصنوعی دنیا میں رہتے تھے، اور بسا اوقات انھیں انسانیت کے مستقبل اور معاشرہ کے حالات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی، اور وہ اس سلسلے میں اپنی کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے تھے۔

نبوی تعلیمات سے دوری ان قوموں اور ملکوں کی حرمان نصیبی کا بنیادی سبب تھا

علوم وفنون، ادب و فلسفہ اور ریاضیات میں محیر العقول کمال و مہارت رکھنے والی ان قوموں اور ملکوں کی حیرانی و سرگردانی اور ان کے علم و عمل، فکر و نظر اور اخلاق و عادات کے

(۱) ایران بعہد ساسانیان

درمیان اتنے عظیم تفاوت اور ایسی گہری خلیج کا راز، فکری و اعتقادی انتشار، مذاہب و آراء کے تنوع، علمی اکائیوں کے تضاد و انتشار اور ربط و وحدت پیدا کرنے والی کسی قوت یا کسی شریفانہ مشترکہ غایت کے فقدان کا سبب اس آخری دھاگے کا بھی ٹوٹ جانا تھا جو ان قوموں اور ملکوں کو نبوی تعلیمات سے باندھ سکتا تھا،(۱)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت کا یہی واحد وسیلہ ہے جو جہالت وضلالت، سوءِ فہم و غلطی تعبیر سے محفوظ ہے، واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے راستے کے سوا معرفت الٰہی کا کوئی اور راستہ نہیں، نہ اس سلسلے میں عقل رہنمائی کرسکتی ہے، نہ تنہا ذہانت کام کرسکتی ہے، نہ سلامت فکر و حسن فطرت، ذہن کی تیزی، قیاس آرائی، تجربہ کاری مدد کرسکتی ہے۔

اللہ نے اسی حقیقت کا اظہار اہل جنت کی زبان سے کیا ہے، جو صادق القول بھی ہیں

---

(۱) قرآن کہتا ہے: ﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَٰتِ فَرِحُوا۟ بِمَا عِندَهُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا۟ بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ﴾ (سورۃ المومن: ۸۳) (جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے، تو جو علم (اپنے خیال میں) ان کے پاس تھا، اس پر اترانے لگے، اور جس چیز سے تمسخر کیا کرتے تھے، اس نے ان کو آن گھیرا۔)

علامہ آلوسی بغدادی اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں مفسرین کا ایک قول یہ نقل کرتے ہیں:

''اس میں علم سے مراد مختلف یونانی فلاسفہ اور دہریوں کا علم ہے کہ جب وحی الٰہی کے بارے میں سنتے تو اس کا انکار کرتے اور اپنے علم کے مقابلہ میں انبیائی علم کی تحقیر کرتے تھے، چنانچہ سقراط کے بارے میں آتا ہے کہ اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا علم ہوا اور اس سے کہا گیا کہ تم کو ان سے ملنا چاہیے، اس پر اس نے کہا کہ ہم پہلے ہی تعلیم یافتہ واصلاح شدہ لوگ ہیں، ہمیں کسی معلم اخلاق کی ضرورت نہیں۔ (روح المعانی ۲۴/۹۱)

اور یہی حال ایران و ہندوستان کا بھی تھا، مشہور انگریز راجر بیکن (Roger Bacon) نے اس طبقہ کی نفسیات (Psychology) کی اپنے اس مقولہ سے صحیح عکاسی کی ہے کہ ''وہ اپنی جہالت کو چھپانے کے لیے بڑے طمطراق سے اپنے زرق برق علم کا مظاہرہ کرتا ہے۔''

Roger Bacon Opus Magustrans, R.S.Burke,1928

اور یہ ان کے ذاتی تجربہ کا معاملہ بھی ہے، اور یہ موقع بھی کسی غلط بیانی اور مبالغہ آمیزی کا نہیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ أَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ (الأعراف: ٤٣)

''خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو یہاں کا راستہ دکھایا، اور اگر خدا ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم رستہ نہ پا سکتے۔''

اور اس اعتراف و اقرار کے ساتھ ہی وہ انبیاء کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وہی معرفت صحیح کا ذریعہ اور اس راستہ کے رہنما تھے جو اس منزل تک پہنچاتا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ (سورۃ الأعراف:٤٣)

''بے شک ہمارے پروردگار کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام (علیہم السلام) کی بعثت ہی کی وجہ سے ان کے لیے یہ ممکن ہوسکا کہ وہ اللہ کی صحیح معرفت حاصل کریں اور اس کی مرضی اور اس کے احکام معلوم کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں، اور اس کے نتیجہ میں جنت میں داخلہ ممکن ہوا.... اللہ تعالی نے قرآن کی ایک عظیم الشان سورہ ''الصافات'' (جس میں مشرکین کی گمراہی، ان کی بد اعتقادی اور اللہ کی طرف ان امور کی نسبت کی تردید کی گئی ہے جو ذات باری کے شایان شان نہیں ہیں،) کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے:

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (سورۃ الصافات: ۱۸۰-۱۸۲)

''یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں، تمہارا پروردگار جو صاحب عزت ہے، اس سے پاک ہے، اور پیغمبروں پر سلام، اور سب طرح کی تعریف خدائے رب العالمین کو سزاوار ہے۔''

یہ تینوں آیتیں ایک طلائی زنجیر کی کڑیاں ہیں جو ایک دوسرے سے پیوست ہیں، کیونکہ جب اللہ نے اپنی ذات کو مشرکین کی لغو اور بیہودہ باتوں سے منزہ فرمایا تو اس کی تکمیل انبیائے کرام (علیہم السلام) کے ذمہ کی جنھوں نے خدا کی مکمل تنزیہ و تقدیس کو اجاگر کیا اور اللہ کے صحیح اوصاف بیان کیے، اللہ نے ان پر سلام بھیجا اور ان کی تعریف کی، کیونکہ مخلوق سے خالق کے صحیح تعارف اور خالق کے صحیح صفات سے روشناس کرانے کا سہرا انھیں کے سر

ہے، اوران کی بعثت مخلوق پر احسان عظیم، انسانوں کے لیے نعمت عظمیٰ اور اللہ کی ربوبیت، رحمت اور حکمت کا تقاضائے بلیغ ہے، اس لیے اس سلسلہ کو ختم کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾(سورۃ الصافات:۱۸۲)

''اور ساری تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں، جو سارے جہان کا رب ہے۔''

عقائد و اعمال اور اخلاق و تمدن کی اساس

انبیاء (علیہم السلام) کے لائے ہوئے اس دین و علم پر ہی انسانیت کی سعادت موقوف ہے، کیونکہ وہ عقائد و اعمال اور اخلاق و تمدن کی اساس مہیا کرتے ہیں، انسان صرف اسی کے ذریعہ معرفت نفس بھی حاصل کرسکتا ہے اور کائنات کی گتھی بھی سلجھا سکتا اور زندگی کے اسرار سمجھ سکتا ہے، اس کے وسیلہ سے اس دنیا میں اپنا مقام متعین کرسکتا اور ابنائے جنس سے اپنے تعلقات اُستوار رکھ سکتا ہے، اپنی زندگی کو صحیح رخ دے سکتا اور اعتماد و بصیرت اور وضاحت و قطعیت کے ساتھ اپنے مقاصد کا تعین کرسکتا ہے۔

پھر نبوی تعلیمات --جن کے شروع و اخیر میں نبوت محمدیہ ہے-- علم کو ہمیشہ عمل کے ساتھ، قول کو فعل کے ساتھ اور ایمان کو انفرادی و اجتماعی رویہ کے ساتھ مربوط کرتی آئی ہیں، قرآن کہتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾(سورۃ الصف:۲-۳)

''اے ایمان والو! تم کیوں وہ کہتے ہو جو کرتے نہیں، اللہ کو یہ سخت ناپسند ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں۔''

اسی کے ساتھ قرآن حکماء و شعراء کی مذمت کرتا ہے کہ جو وہ کہتے ہیں کرتے نہیں، ﴿يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾(الشعراء:۲۲۶) اور علمائے راسخین کی تعریف میں کہتا ہے کہ:

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (سورۃ الفاطر:۲۸)

''اللہ سے اس کے عالم بندے ہی ڈرتے ہیں۔''

بے عمل اہل علم کی مذمت کے لیے قرآن مجید نے سخت ترین الفاظ استعمال کیے ہیں، فرمایا گیا ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾ (سورة الجمعة:٥)

”جن لوگوں کو تورات پر عمل کا حکم دیا گیا تھا، پھر انھوں نے اس پر عمل نہ کیا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہو۔“

نبوی تعلیمات میں تہذیب اخلاق اور تزکیہ و تربیت کی اہمیت

نبوی دعوت و مقاصد بعثت میں تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، قرآن نے سورۃ الاسراء میں اخلاقیات کے اصول و مبادی کے ذکر کے بعد ان کو ”حکمت“ سے تعبیر کیا ہے:

﴿ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ (سورة الإسراء:٣٩)

”یہ حکمت کی ان باتوں میں سے ہے جو آپ کے رب نے آپ کو وحی کی ہے۔“

حضرت لقمان کی اخلاقی تعلیمات کے ذکر سے پہلے کہا گیا:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ وَمَن يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ (سورة لقمان:١٢)

”اور ہم نے لقمان کو دانائی بخشی کہ خدا کا شکر کرو، اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے تو خدا بھی بے پروا اور سزاوار حمد (وثنا) ہے۔“

اللہ کی راہ میں بغیر احسان جتائے اور بغیر اذیت دیے ہوئے خرچ کرنے، اللہ پر توکل کرنے اور فقر سے خائف نہ ہونے کے ذکر کے بعد فرمایا:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (سورة البقرة: ٢٦٩)

''وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے، اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی، اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکمیل مکارم اخلاق کو اپنی بعثت کا اہم مقصد بتایا ہے، فرمایا:

(إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ)(۱)

''میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔''

سیرت و تاریخ شاہد ہے کہ آپ (ﷺ) اخلاق کریمانہ کی بہترین مثال اور سراپا اسوۂ حسنہ تھے، اور قرآن نے بھی اس کی گواہی دی ہے کہ:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (سورة القلم: ٤) ''اور اخلاق تمہارے بہت عالی ہیں۔''

آغوش نبوت کی تربیت یافتہ مثالی جماعت کی ایک جھلک

آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش تربیت سے ایسی مبارک اور مثالی نسل تیار ہوئی جو اخلاق حسنہ اور صفات کریمانہ سے آراستہ، اور اخلاقی برائیوں، ناپسندیدہ عادتوں، مذموم صفات، ہوائے نفس، جاہلی رسوم اور شیطانی وساوس سے پاک صاف تھی، خود قرآن نے ان کی سلامتی طبع، صاف باطنی، تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے کی شہادت اس طرح دی ہے:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ، وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ، أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ، فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً، وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (الحجرات: ۷-۸)

''جان رکھو کہ تم میں خدا کے پیغمبر ہیں، اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ، لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا، اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا، اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا، یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں (یعنی) خدا کے فضل اور احسان سے اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔''

---

(۱) رواه البزار في مسنده عن أبي هريرة، حديث رقم ۸۹٤۹

واقعہ جو خیال و تصور سے زیادہ دلکش ہے

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کتاب "النبوۃ و الأنبیاء فی ضوء القرآن" سے ایک اقتباس پیش کروں جو نبوت محمدی کے کارنامے سے متعلق ہے، صحابۂ کرام کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"اس جماعت کا ہر فرد اپنی ذات سے ایک مستقل معجزہ، نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی، اس کے ابدی کارناموں میں سے ایک کارنامہ اور نوع انسانی کے اشرف و افضل ہونے کی ایک روشن دلیل ہے، کسی مصور نے اپنے فن کار موئے قلم اور صناع ذہن سے اس سے بہتر تصویر نہیں بنائی ہوگی جیسے کہ حقیقت واقعہ اور تاریخ کی شہادت کی روشنی میں وہ افراد موجود تھے۔

کسی شاعر نے بھی اپنے شاداب تخیل، مواج طبیعت اور شعری صلاحیت سے کام لے کر ایسے اوصاف جمیلہ، ایسی پاکیزہ سیرتوں اور ایسے برگزیدہ محاسن کا خیالی پیکر نہیں تیار کیا ہوگا جس کا نمونہ ان کی ذات میں موجود تھا، دنیا کے اگر تمام ادیب جمع ہو کر انسانیت کا کوئی بلند ترین نمونہ پیش کرنے کی کوشش کریں تو ان کا تخیل اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتا جہاں واقعاتی زندگی میں وہ لوگ موجود تھے جو آغوش نبوت کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے، اور جو درسگاہ محمدی سے فارغ ہو کر نکلے تھے۔ ان کا قوی ایمان، ان کا عمیق علم، ان کا خیر پسند دل، ان کی ہر تکلف اور ریاء و نفاق سے پاک زندگی، انانیت سے ان کی دوری، ان کا خوف خدا، ان کی عفت و پاکیزگی اور انسان نوازی، ان کے احساسات کی لطافت و نزاکت، ان کی مردانگی و شجاعت، ان کا ذوق عبادت اور شوق شہادت، ان کی دن کی شہسواری اور راتوں کی عبادت گزاری، متاع دنیا اور آرائش

زندگی سے بے نیازی، ان کی عدل گستری، رعایا پروری اور راتوں کی خبر گیری اور اپنی راحت پر ان کی راحت کو ترجیح، ایسی چیزیں ہیں کہ اگلی امتوں اور تاریخ میں ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی دعوت ورسالت کے ذریعہ ایسا صالح فرد پیدا کیا جو خدا پر ایمان رکھنے والا، اللہ کی پکڑ سے ڈرنے والا، دیندار وامانت دار، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادیت کے مظاہر کو نظر حقارت سے دیکھنے والا، اور ان مادی طاقتوں پر اپنے ایمان اور روحانی قوت سے فتح پانے والا تھا، جس کا ایمان اس پر تھا کہ دنیا اس کے لیے پیدا کی گئی ہے اور وہ آخرت کے لیے بنایا گیا ہے، چنانچہ جب یہ فرد تجارت کے میدان میں آتا تو راست باز اور امانت دار تاجر ہوتا، اور اگر اس کو فقر و فاقہ سے واسطہ پڑتا تو ایک شریف اور محنتی انسان نظر آتا، وہ جب کبھی کسی علاقہ کا حاکم ہوتا تو ایک محنتی و بہی خواہ عامل ہوتا، وہ جب مالدار ہوتا تو فیاض و غم خوار مالدار ہوتا، جب وہ مسند قضا اور عدالت کی کرسی پر بیٹھتا تو انصاف دوست اور معاملہ فہم قاضی ثابت ہوتا، وہ حاکم ہوتا تو مخلص اور امانت دار حاکم ہوتا، اسے سیادت و ریاست ملتی تو وہ متواضع اور شفیق و غم خوار حاکم اور سردار ہوتا، اور جب وہ عوام کے مال کا امانت دار بنتا تو محافظ اور صاحب فہم خازن ہوتا، انہی اینٹوں سے اسلامی معاشرت کی عمارت بنی تھی، اور اسلامی حکومت انہی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی، یہ معاشرت وحکومت اپنی فطرت میں ان افراد کے اخلاق ونفسیات کی بڑی صورتیں اور تصویریں تھیں اور ان افراد ہی کی طرح ان سے بنا ہوا معاشرہ بھی صالح، امانت دار، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، اور مادی اسباب پر حاکم نہ کہ اس کا محکوم تھا۔"(1)

(1) منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ص ۱۷۹-۱۸۱

مغربی فاضل کائتانی (Caetani) اپنی کتاب "سنین اسلام" میں کہتا ہے:

"یہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے، مستقبل میں اسلام کے مبلغ، اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خدا رسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہنچائی تھیں اس کے امین تھے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مسلسل قربت اوران سے محبت نے ان لوگوں کو فکر وجذبات کے ایک ایسے عالم میں پہنچادیا تھا جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا، اور بعد میں انھوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصول ونظریات کی تخم ریزی، زرخیز زمین میں کی گئی تھی، جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے، یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اس کے حافظ تھے، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جو نیا لفظ یا حکم انھیں پہنچا تھا، اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیشرو جنھوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین فقہاء، علماء اور محدثین کو جنم دیا۔"(۱)

وحدت اور توحید کا واحد واسطہ

انسان پر عقیدۂ توحید کا جو عقلی اثر مرتب ہوتا ہے، اس کی بدولت وہ سارے عالم کو ایک مرکز اور ایک نظام کے تابع سمجھنے لگتا ہے، اور اس کے اجزائے پریشاں میں ایک کھلا ہوا ربط اور وحدت نظر آنے لگتی ہے، اور اس طرح انسان زندگی کی پوری تشریح کرسکتا ہے، اور اس کے فکر وعمل کی عمارت حکمت وبصیرت، خیر وتقویٰ پر تعاون، انسانیت کی صلاح وفلاح،

(۱) ماخوذ از Caetani, Annali Dell Islam, Vol.II, P.429 T.W. Arnold, Preaching of Islam, London(1935), P.41-42

معاشرے کی تنظیم، تمدن کی رہنمائی، دین و دنیا کے اجتماع، اور حریف و برسر پیکار طبقات کی وحدت و اخوت کی بنیادوں پر قائم ہو سکتی ہے۔

یونان کے تذکرے میں گزر چکا ہے کہ اس وقت علمی اکائیاں اور کڑیاں بکھری ہوئی بلکہ اکثر حالات میں متضاد و متناقض تھیں، مثلاً علم حکمت وطبعیات دین کا مخالف تھا، حتی کہ طب وریاضی جیسے بے ضرر فنون کے ماہرین بھی کبھی اس سے سلبی والحادی نتیجے نکالتے تھے، چنانچہ (جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے) حکمائے یونان عموماً مشرک وملحد تھے، اس لیے ان کے علوم و مکاتب فکر مشرق کے دین و مذہب کے لیے کئی صدیوں تک خطرہ اور تشکیک و نفاق کا چور دروازہ بنے رہے، اور ان کی تحقیق و تدریس سے شغف رکھنے والوں اور ان کے قدردانوں کے عقائد جس طرح متزلزل ہوئے، اس کی داستان طویل ہے، جس کے ذکر کا یہ محل نہیں۔

کائناتی مظاہر میں رشتۂ وحدت کی دریافت

زمانۂ سابق میں انبیاء (علیہم السلام) کی تعلیمات کی سب سے بڑی عطا اور اخیر زمانے میں اسلام کا عظیم احسان یہ تھا کہ اس نے ایسی دعوت کا پتہ بتایا جو علمی اکائیوں میں ربط و نظام پیدا کر دیتی ہے، اور یہ اس کے لیے اس طرح آسان اور ممکن ہوا کہ اس نے علم و معرفت کے میدان میں صحیح نقطے سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا، اس نے اللہ پر ایمان و یقین، اس سے مدد اور اس پر اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت پر عمل کرنے سے اپنا سفر شروع کیا جو اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دی تھی، اور اس سے پہلی وحی کا آغاز ہوا تھا، فرمایا گیا:

﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (سورۃ العلق: ۱)

"اپنے مالک کے نام سے پڑھیے جس نے دنیا پیدا کی۔"

اور صحت آغاز اکثر حسن انجام کی ضمانت ہوتی ہے، اسلام نے قرآن اور ایمان کی بدولت اس وحدت کو پالیا، جو تمام وحدتوں میں ربط پیدا کر دیتی ہے، اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت ہے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی تعریف میں کہا ہے:

﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورۃ آل عمران:۱۹۱)

''اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے ہیں:)اے پروردگار! تو نے اس مخلوق کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا، تو پاک ہے، تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔''

زمانۂ قدیم میں کائناتی مظاہر ومناظر اور حوادث وتغیرات کی وحدتیں متناقض ومتضاد معلوم ہوتی تھیں، اور اس وجہ سے انسان کو حیرت واضطراب میں ڈالتی تھیں اور کبھی کفر والحاد تک پہنچا دیتی تھیں (جیسا کہ یونان اور مشرق اسلامی کے یونانی مکاتب فکر کا حال تھا، اور جیسا کہ آج مغرب کا حال ہے) اور خالق ومدبر کائنات پر طعن واعتراض کی جرأت وجسارت پیدا ہو جاتی تھی، مگر ایمان وقرآن پر مبنی علم انسانی نے اس وحدت کا اعلان کیا جو ان کائناتی اکائیوں کو ایک رشتہ میں پرو دیتی ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ کا غالب ارادہ اور اس کی حکمت تامہ کہا جاتا ہے۔

حیات وکائنات کے فہم پر عقیدۂ توحید کا اثر

ایک بڑے مغربی مفکر ہیرالڈ ہوفڈنگ (Harold Hofding) نے اس وحدت کی دریافت اور انسانی زندگی اور علم واخلاق کے سفر پر اس کے فعال اثر کی اہمیت کے بارے میں لکھا ہے:

> ''کسی توحیدی مذہب کی دینیات کی اساس فکر یہ ہوتی ہے کہ تمام اشیاء کی ایک واحد علت ہے، ان مشکلات سے قطع نظر کرتے ہوئے جو اس خیال سے لازماً پیدا ہوتی ہیں، اس کا ایک اہم اور مفید اثر انسانی طبائع پر یہ ہوتا ہے کہ ان کو (اختلافات اور تفصیلات کو نظر انداز کر کے) ایک قانون کے مطابق تمام اشیائے عالم کو مربوط ومنضبط سمجھنے کی عادت ہو جاتی ہے، علت کے ایک ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ قانون بھی ایک ہو، ازمنۂ وسطیٰ کے دینی فلسفہ نے کثرت میں

وحدت کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا جس سے غیر مہذب
انسان طبعی مظاہر کی کثرت کے سبب اس سے غافل تھا، اور اس کثرت
کے مشاہدہ میں اس لیے غلطاں و پیچاں رہتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں ان
میں ربط ذاتی پیدا کرنے کا کوئی سر رشتہ نہ تھا۔"(۱)

انفس وآفاق اور اقوام وملل کے ماضی پر غور وفکر کی دعوت اور اس کے فائدے

قرآن مجید نے علم کے مختلف وسائل و ذرائع اور تحقیق و مطالعہ کے متعدد مصادر و مآخذ بیان کیے ہیں، چنانچہ وہ انفس و آفاق اور اقوام و ملل کے ماضی پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، قرآن اسے "أَيَّامُ اللّٰهِ" اور "سُنَّةُ اللّٰهِ" سے تعبیر کرتا ہے، (جسے آج تاریخ کہا جاتا ہے) اور اس طرح بڑے قیمتی اور درس پُر از امکان اور انسانی مستقبل پر گہرائی سے اثر انداز ہونے والے نتائج تک پہنچاتا ہے۔

علامہ اقبال عقل انسانی اور علم کے وسائل و مصادر کی اسلام کے ذریعے وسعت و نتیجہ خیزی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے مشہور خطبات میں لکھتے ہیں:

"لیکن مشاہدات باطن صرف ایک ذریعہ ہیں علم انسانی کا،
قرآن پاک کے نزدیک اس کے دو سرچشمے اور ہیں: ایک عالم فطرت
دوسرا عالم تاریخ، جن سے استفادہ کرنے میں عالم اسلام کی بہترین
روح کا اظہار ہوا ہے، قرآن پاک کے نزدیک یہ شمس و قمر، یہ سایوں
کا امتداد، یہ اختلاف لیل و نہار، یہ رنگ اور زبان کا فرق، اور یہ
قوموں کی زندگی میں کامیابی اور ناکامی کے دنوں کی آمد و شد، حاصل
کلام یہ کہ یہ سارا عالم فطرت جیسا کہ بذریعہ حواس ہمیں اس کا ادراک

(۱) تاریخ فلسفۂ جدید از ڈاکٹر ہیرالڈ ہوفڈنگ ج:۱، ص:۵، History of Modern Philosophy

ہوتا ہے، حقیقت مطلقہ کی آیات ہیں، اور اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان میں غور وفکر سے کام لے، یہ نہیں کہ بہروں اور اندھوں کی طرح ان سے اعراض کرے، کیونکہ جو کوئی اس زندگی میں اندھوں کی طرح ان آیات سے اپنی آنکھیں بند رکھتا ہے وہ آگے چل کر بھی اندھا ہی رہے گا، یہی وجہ ہے کہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر بار بار توجہ کی اس دعوت کے ساتھ ساتھ جس کی قرآن مجید نے تعلیم دی، جب مسلمان رفتہ رفتہ اس حقیقت کو پا گئے کہ کائنات میں روانی اور حرکت ہے، وہ متناہی ہے اور اضافہ پذیر، تو انجام کار یونانی فلسفہ کی مخالفت پر۔ جس کا اپنی حیات ذہنی کی ابتدا میں انھوں نے بڑے ذوق وشوق سے مطالعہ کیا تھا۔ اتر آئے، شروع شروع میں تو انھیں اس امر کا احساس نہیں ہوا کہ قرآن مجید کی روح فلسفۂ یونان کے منافی ہے، اور اس لیے حکمت یونان پر اعتقاد کرتے ہوئے انھوں نے قرآن پاک کا مطالعہ بھی فکر یونان ہی کی روشنی میں کیا، لیکن قرآن مجید کا زور چونکہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر ہے اور حکمت یونان کا حقائق کے بجائے نظریات پر، لہذا ظاہر ہے کہ یہ کوششیں ایک نہ ایک دن ضرور ناکام رہتیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور یہ اسی کوشش کی ناکامی تھی جس کے بعد اسلامی تہذیب و ثقافت کی حقیقی روح برسرکار آئی، حتی کہ تہذیب جدید کے بعض اہم پہلوؤں کو دیکھیے تو ان کا ظہور بھی اسی کا مرہون منت ہے۔"(۱)

وہ مزید لکھتے ہیں کہ

"قرآن پاک نے تاریخ کو ایام اللہ سے تعبیر کیا اور اسے علم کا ایک سرچشمہ ٹھہرایا ہے، اس کی ایک اور بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اقوام وامم کا محاسبہ انفرادی واجتماعی دونوں لحاظ سے کیا جاتا ہے، مزید یہ کہ انھیں

---

(۱) تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۱۹۶-۱۹۷، (لاہور ۱۹۵۸ء)

اپنی بداعمالی کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے، اور یہ وہ بات ہے جس کے ثبوت میں اس نے بار بار تاریخ سے استناد کیا، علاوہ ازیں قارئین کو توجہ دلائی کہ نوع انسانی کے گذشتہ اور موجودہ احوال وشئون کے مطالعے میں غور وفکر سے کام لیں:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسٰى بِآيَاتِنَآ أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ وَ ذَكِّرْهُمْ بِأَيّٰمِ اللّٰهِ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ (سورة إبراهيم:٥)

''اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ اور ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ، اس میں ان لوگوں کے لیے جو صابر وشاکر ہیں (قدرتِ خدا کی) نشانیاں ہیں۔''

﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ أُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ، وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

(سورة الأعراف:١٨١-١٨٢)

''اور ہماری مخلوق میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا رستہ بتاتے ہیں، اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں، اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہوگا۔''

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ (سورة آل عمران:١٣٧)

''تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں، تو تم زمین میں سیر کر کے دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔''

﴿وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ (سورة آل عمران:١٤٠)

''اور یہ وہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔''

﴿وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾(سورة الأعراف:٣٤)

''اور ہر ایک فرقہ کے لیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے:
جب وہ آ جاتا ہے، تو نہ ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں نہ جلدی۔''

آخری آیت پر نظر رکھیے تو اس کی حیثیت ایک مخصوص تاریخی تعمیم کی ہے، جس میں گویا بڑے حکمانہ انداز میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ امم انسانی کا مطالعہ بھی ہمیں بہ طور اجسام نامیہ علمی نہج پر کرنا چاہیے، لہذا اس سے بڑی علمی غلط بیانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن پاک میں کوئی ایسا خیال موجود نہیں جو فلسفۂ تاریخ کا سرچشمہ بن سکے، حالانکہ بہ نگاہ حقیقت دیکھا جائے تو ابن خلدون کا مقدمہ سرتاسر اس روح سے معمور ہے جو قرآن مجید کی بدولت اس میں پیدا ہوئی، وہ اقوام و امم کے عادات و خصائل پر حکم لگاتا ہے، تو اس میں بھی زیادہ تر قرآن پاک ہی سے استفادہ کرتا ہے۔''(۱)

عالمی و منفرد علمی تحریک جو اسلامی تعلیمات سے پیدا ہوئی

اسلام نے علم کی جو عزت افزائی کی اور جس طرح اس کا شوق پیدا کیا، اس سے تاریخ اسلام میں بڑی سرگرمی بلکہ علمی جوش و خروش اور فنا فی العلم ہونے کا بے پناہ جذبہ و داعیہ پیدا ہو گیا، اور اس عالمی و ابدی علمی تحریک کا تاریخی سفر شروع ہوا جس کی زمانی مدت طویل ترین مدت، اور جس کی مکانی مسافت بھی طویل تر، اور جس کا معنوی رقبہ ان دونوں سے کہیں زیادہ تر ہے، نامور مغربی محقق اور فرنچ مؤرخ ڈاکٹر گستاولی بان اپنی کتاب ''تمدن عرب'' میں لکھتا ہے:

''عربوں نے جو مستعدی تحصیل علم میں ظاہر کی وہ فی الواقع حیرت انگیز ہے، اس خاص امر میں بہت سی اقوام ان کے برابر ہوئی

(۱) تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۲۱۲-۲۱۳

ہیں لیکن بمشکل کوئی ان سے بازی لے جاسکی، جب وہ کسی شہر کو لیتے تو ان کا پہلا کام وہاں مسجد و مدرسہ بنانا ہوا کرتا، بڑے شہروں میں ان کے مدارس ہمیشہ بکثرت ہوتے تھے، بنجمن ولی تو ویل- جو ۱۱۷۳ء میں مرا ہے- بیان کرتا ہے کہ اس نے اسکندریہ میں بیس مدرسے دیکھے۔

علاوہ عام مدارس تعلیمی کے، بغداد، قاہرہ، طلیطلہ، قرطبہ وغیرہ بڑے شہروں میں دارالعلوم تھے، جن میں علمی تحقیقات کے کارخانے، رصد خانے، عظیم الشان کتب خانے، غرض کل مصالح علمی تحقیقات کا موجود تھا، صرف اندلس میں ستر عام کتب خانے تھے۔

مؤرخین عرب کے اقوال کے بموجب الحاکم ثانی کے کتب خانے میں -جو قرطبہ میں تھا- چھ لاکھ جلدیں تھیں، جن میں سے چوالیس جلدوں میں فہرست کتب تھی، اس کے متعلق کسی نے بہت درست کہا ہے کہ چار سو برس بعد جب چارلس عاقل نے فرانس کے شاہی کتب خانے کی بنیاد ڈالی تو وہ نو سو جلدوں سے زیادہ جمع نہ کرسکے، اور ان میں سے کتب مذہبی کی ایک پوری الماری بھی نہ تھی۔"(۱)

یورپ کے علمی خطّ ارتقاء میں سب سے بڑا انحراف

مغرب کے اپنی گہری نیند سے بیدار ہونے اور قرون وسطی کے کلیسائی استبداد اور محاکم تفتیش (Courts of Inquisition) سے آزاد ہونے، اور سائنس وایجاد کی دنیا میں اپنا سفر از سر نو شروع کرنے کے بعد، اور انفرادی واجتماعی مقاصد کی تکمیل کے لیے علم وتحقیق اور کائناتی قوتوں کی تسخیر کے سفر میں جو سب سے بڑی بے راہ روی پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ اس نے تہذیب وتمدن میں انقلاب برپا کردینے والے اس عمل کو مستقلاً اور آزادانہ طور پر جاری رکھا اور اس کو اس کی کھلی چھوٹ دے دی کہ وہ اس کائنات پر حکومت کرے اور اسے شخصی، وطنی اور

---

(۱) تمدن عرب، اردو ترجمہ از سید علی بلگرامی، ص ۳۹۹-۳۹۸

قومی مقاصد کے لیے مسخر کرے، اور کائنات کے پیدا کرنے والے سے بے نیاز ہو کر اس کی خلافت کے بجائے استقلال وخود مختاری کی راہ پر چلتا رہے، اس طریقہ کار نے علم اور غیر ترقی یافتہ قوموں اور مغرب کی ماتحت دیگر اقوام پر بدنصیبی محرومی اور مصائب کے پہاڑ توڑ دیے۔

آدمؑ کو خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اسماء کی تعلیم اور اس کی معنی خیزی

مذکورہ رویہ کے برعکس قرآن انسانوں کو زمین میں اللہ کا خلیفہ قرار دیتا ہے، جسے اس کے اوامر کا نفاذ کرنا اور اس کی تعلیمات کے مطابق چلنا ہے، وہ محدود پیمانہ میں بااختیار خلیفہ ہے، جو اپنے رب کے احکام کا پابند، اس کے آگے جواب دہ، اپنے عمل کی جزا پانے والا، اپنے ذاتی تصرف وانانیت کے لیے حساب پر مجبور، اور افراط وتفریط، محدود قوت، فانی حکومت، حیات گذراں اور دنیائے فانی سے دھوکہ کھانے اور اپنے جیسے انسانوں کو غلام بنانے پر سزا کا مستحق ہے۔

قرآن نے ایک بڑا معنی خیز اور فکر انگیز مکالمہ نقل کیا ہے، جو تخلیق آدم کے وقت اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان ہوا تھا، جس کا آغاز اس طرح ہوا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ...إلخ﴾ (البقرة: ۳۰) ''اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

پھر فرمایا گیا: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ (سورة البقرة: ۳۱) ''اور اللہ نے آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اس دنیا کا جو کچھ ضروری علم دیا گیا ہے، اور اس مادی دنیا سے اس کا جو تعلق ہے، اور حیات وکائنات سے نفع اٹھانے کی اسے جتنی طاقت وصلاحیت دی گئی ہے، وہ اسے خلافت الٰہی کے نتیجے میں ملی ہے، اور یہ سب اس کی ماتحتی نہ کہ خود مختاری کی حیثیت سے ملی ہے، اور اس منصب خلافت کے طفیل ہے جو ملائکہ کے بجائے اسے دیا گیا ہے، چنانچہ قرآن میں اشارتاً کہا گیا ہے:

﴿وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ﴾ (سورة الحديد: ۷) ''اور خرچ

کرو اس مال میں سے جس میں تمہیں اس نے خلیفہ بنایا ہے۔"

پھر فرمایا گیا:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾

(سورۃ یونس: ١٤) "پھر ہم نے ان کے بعد تم لوگوں کو ملک میں خلیفہ بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو؟"

قرآن مجید خلافت الٰہی کو بڑی ذمہ داری کی چیز سمجھتا ہے، جو عدل و رحمت اور سخت محاسبے کا مطالبہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی داود (علیہ السلام) کو جو ایک وسیع مملکت کے حکمران تھے، اس طرح مخاطب کرتا ہے:

﴿يٰدَاوٗدُ إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ (سورۃ ص:٢٦)

"اے داود! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے، تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو، اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمھیں خدا کے رستہ سے بھٹکا دے گی، جو لوگ خدا کے رستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب (تیار) ہے، کہ انھوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔"

سب سے بڑی غفلت و جہالت جو تاریخ عالم میں ظاہر ہوئی

خلافت و خودمختاری کا فرق بتانے کے کوئی ضرورت نہیں، خلیفہ ہمیشہ اپنے مالک سے مربوط اور اس کا تابعدار، ذمہ داری میں امانت دار، اپنے ماتحتوں کا ہمدرد، اپنے مالک و آقا کا شکرگزار اور ہر فضل و کرم کو اس کی طرف منسوب کرنے والا ہوتا ہے، وہ غرور و تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا، اور نہ قوت و حکومت اُسے آپے سے باہر کرتی ہے۔

لیکن مغرب نے اس حقیقت کو بھلا دیا، جس کے نتیجہ میں نہ صرف علم و تحقیق کی تاریخ میں؛ بلکہ پوری انسانی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی سامنے آئی، اور یہ کسی ایک فرد یا

چند افراد یا کسی ایک فکر و فلسفہ کی بھول نہ تھی، بلکہ پوری علمی دنیا اور عالمی قیادتوں کی بھول تھی جس کے ہاتھ میں انسانیت کا مستقبل اور دنیا کے رجحانات تھے، اس طرح یہ بڑی بدبختانہ بھول اور بہت بھاری غفلت و جہالت تھی جو تاریخ کے اسٹیج پر ظاہر ہوئی، اور ایسی غلطی تھی جس نے غلطیوں کے بہت سے طویل دور پیدا کر دیے، کسی دانشور نے صحیح کہا ہے کہ ''غلطی سے زیادہ کسی اور مخلوق کی افزائش نسل میں نے نہیں دیکھی۔'' دنیا ابھی تک اس خط مستقیم سے انحراف کے نتائج بھگت رہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے (آدم کو عطائے خلافت اور علم کی تعلیم کا واقعہ سنا کر) عاقل انسانوں کے لیے قائم کیا تھا۔

اسلامی علمی تحریک کی پانچ خصوصیات

اسلامی تعلیمات کے زیر اثر مسلم علماء کی محنت کی بدولت جو علمی تحریک برپا ہوئی، اس کی خصوصیات میں پانچ خصوصیات بہت نمایاں ہیں، جن کی طرف ہم یہاں صرف اشارے کریں گے۔

(۱) عالمیت وانسانیت

اس تحریک کی پہلی خصوصیت اس کی آفاقیت اور نسل انسانی سے اس کا عمومی تعلق ہے، کیونکہ علم اسلام میں جملہ اقوام وقبائل، نسلوں اور خاندانوں اور تمام ملکوں کا ایک عمومی حق اور دولت مشترکہ ہے، اور اس میں یہود کے ''بنی لاوی'' اور ہنود کے برہمنوں جیسا مخصوص حق کسی کو نہیں دیا گیا ہے، چنانچہ اسلام کی علمی برادری میں کسی قوم ونسل کو دوسری قوموں اور نسلوں کے مقابلے میں کوئی امتیاز نہیں دیا گیا ہے، اور اس میں نسل وخون سے زیادہ ذوق و شوق، حسن قبول وحسن طلب، قدردانی اور جہد واجتہاد میں تفوق کو ترجیح دی گئی ہے، امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی سند سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کی ہے کہ:

---

(۱) رواه أحمد بن حنبل في مسنده عن أبي هريرة، حديث رقم ۷۹۳۷

(۲) مقدمة ابن خلدون، المطبعة البهية، ص ۴۰۱، اس دعویٰ کی تفصیل اور مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب: ''تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات''

"لَوْ كَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهُ أُنَاسٌ مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ"[۱]: "اگر علم ثریا کی بلندی پر بھی ہوتا تو اسے اہل فارس میں سے کچھ لوگ حاصل کر لیتے۔"

اس کی تاریخی شہادت نابغۂ عرب علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) نے اپنے مشہور مقدمہ میں یہ کہہ کر دی ہے کہ:

مِنَ الغريبِ الواقعِ أنَّ حَمَلَة العلم في الملّةِ الإسلاميةِ أكثرهم العجم، و ليس في العرب حملة علم، لا فِي العلومِ الشرعيةِ ولا فِي العلوم العقلية، إلا في القليلِ النادِرِ....... مَعَ أنَّ الملّةَ عربيةٌ و صاحب شريعتِها عربيٌّ۔[۲]

"یہ عجیب واقعہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے اکثر اہل علم عجمی ہیں، علوم شرعیہ میں بھی اور علوم عقلیہ میں بھی، سوا معدودے چند کے سب عجمی ہیں، حالانکہ یہ ملت عربی ہے، اور صاحب شریعت بھی عرب ہیں۔"

(۲) عوامیت وعمومیت

اسلام کی علمی تحریک کی دوسری خصوصیت اس کی عوامیت وعمومیت ہے، اس لیے کہ وہ عوامی کوششوں اور مسلمانوں کی علمی قدردانی اور اس کی ضرورت کے احساس اور کتاب و سنت میں اس کے فضائل اور اس پر اجر وثواب کے وعدے، اور جہالت کی مذمت اور وعید پر یقین کے نتیجے میں برپا ہوئی، اور مسلمانوں نے ہر زمانے میں تحصیل علم میں ایک خاص سرگرمی اور ذوق وشوق دکھایا، اور عالم اسلام میں مسلمانوں کی قدردانی اور مالی تعاون کے ذریعے لاتعداد مدارس اور تعلیمی حلقے قائم ہوئے، جبکہ سرکاری طور پر صرف چند مدارس (نظامیہ بغداد و نیشاپور کی طرح) مسلم دارالحکومت اور بڑے شہروں میں قائم ہوئے، مگر اس کے برعکس علماء

(۱) اس بارے میں مختلف ممالک میں علماء کے تراجم اور اسلامی ثقافت کی تاریخیں خصوصاً شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی کتاب "صفحات من صبر العلماء" اور "نزهة الخواطر" (۱-۸) از مولانا سید عبدالحی حسنیؒ، اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی کتاب "علمائے سلف"، مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی کتاب "ہمارا قدیم نظام تعلیم وتربیت" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

کی رضا کارانہ محنت اور زاہد وقناعت پسند اساتذہ کی بدولت علم گھر گھر پھیل گیا، جنھوں نے حکومت کے مناصب و وظائف اور امراء و اغنیاء کی سرپرستی سے بے نیاز ہو کر بقدر کفایت معاوضہ اور قوت مالا یموت پر قناعت کی، تاریخ نے اس سلسلے کی ایسی حیرت انگیز حکایات نقل کی ہیں کہ اگر راوی ثقہ اور روایات مشہور نہ ہوتیں اور علمائے راسخین کے ایمان واحتساب کی قوت اور ایثار وقربانی کے جذبات کا یقین نہ ہوتا تو ان پر یقین نہ آتا۔(۱)

یہاں مثال کے طور پر ایک واقعہ کا ذکر کرنا کافی ہوگا جس کا تعلق امام دار الہجرت مالک بن انسؒ اور عباسی خلیفہ ہارون رشید سے ہے (جو خلیفۃ المسلمین اور اپنے وقت کا سب سے بڑا حکمراں تھا) امام مالکؒ کو ہارون رشید نے ان سے موطا پڑھنے کے لیے طلب کیا تو امام مالکؒ نے جواب دیا کہ: "إِنَّ الْعِلْمَ يُؤْتَى وَلَا يَأْتِي" (علم کے پاس جایا جاتا ہے، وہ کسی کے پاس نہیں آتا) یہ سن کر ہارون رشید امام مالکؒ کے ہمراہ ان سے موطا سننے کے لیے ان کے گھر گئے، جہاں انھوں نے ان کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا، پڑھتے وقت ہارون رشید نے ان سے کہا کہ اور لوگ باہر چلے جائیں تاکہ میں تنہا آپ سے پڑھوں، اس پر امام مالکؒ نے فرمایا: "جب خواص کو علم دیا جاتا اور عوام کو اس سے محروم کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خواص کو بھی نفع نہیں دیتے۔" اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ:

> "اے امیر المؤمنین! ہم نے اپنے شہر کے اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ تواضع پسند کرتے ہیں۔" یہ سن کر ہارون رشید مسند سے نیچے اتر آیا اور ان کے سامنے بیٹھ کر موطا کی سماعت کی۔"(۱)

مسلمانوں کی علمی تحریک ایک عوامی تحریک تھی جس سے ہر طبقے اور ہر سطح کے لوگ مستفید ہوتے تھے، تعلیم معاشرے کی عام دلچسپی کی چیز اور ایک ایسا شوق بن گئی جس سے اہل حرفہ اور پیشہ ور عوام بھی دلچسپی لیتے تھے، اسٹینلی لین پول "تاریخ عالم" میں لکھتا ہے:

> "خلیفہ سے لے کر کاریگر تک ہر مسلمان گویا حصول علم کے شوق اور سیاحت کا دیوانہ ہو گیا تھا، یہ سب سے بڑی خدمت تھی جو اسلام نے عمومی تہذیب کے لیے انجام دی، ہر خطہ سے بغداد جیسے مرکز علم کی

(۱) شذرات الذهب ۲۹۱/۱

جانب علم کے طالبین امنڈ پڑے، اور پھر یہی حال علم و ادب کے دوسرے مراکز کا ہوگیا، یہ حالت اس حالت سے مشابہہ تھی جو بعد میں یونیورسٹیوں کی جانب مغربی اہل علم کے سیلاب میں نظر آتی ہے، لیکن وہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھی، مسجدیں جو اسلام کی جامعات تھیں (اور اب بھی ہیں) ان طلبہ کے ہجوم سے بھر گئیں جو علوم دینیہ، فقہ، فلسفہ، طب اور ریاضیات پر علماء کے درس سننے کے لیے آیا کرتے تھے، درس دینے والے علماء عربی بولنے والے مختلف ممالک سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی مرضی سے درس دیا کرتے تھے، نہ انھیں سند کی ضرورت تھی، نہ مشاہرہ کی، نہ ان کے اوپر کوئی نگرانی تھی، اگر وہ لائق و قابل ہوتے تو ان کے درس میں شرکت کرنے والوں کا یقینی طور پر بڑا مجمع ہو جاتا تھا، ان کی قدر و منزلت ان کی قابلیت کی بنا پر کی جاتی، اور ان کا کام رضا کارانہ طور پر قلیل معاوضے کے ساتھ چلتا تھا۔"(۱)

اس نظام تعلیم کی طاقتور روح اور کارفرما جذبہ تعلیم و تدریس سے رضائے الٰہی کی طلب اور اس کو عبادت سمجھنے کا عقیدہ تھا، یہ روح اسلام اور مسلمانوں کی طویل علمی و تعلیمی تاریخ اور اس کے زیر اثر وسیع رقبے میں عرصہ تک کارفرما رہی، اور اس کے محیر العقول نمونے وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہے، یہاں دور اخیر (تیرھویں صدی ہجری - انیسویں صدی عیسوی) کا - جب مغربی تہذیب اور نظام تعلیم اثر انداز ہو چکے تھے - ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے، جس سے ایمان و احتساب کی اس دینی کیفیت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو علمائے اسلام میں کارفرما تھی:

"مولانا عبدالرحیم صاحب (م ۱۲۴۴ھ) رام پور میں درس دیتے تھے، روہیل کھنڈ کے انگریز حاکم مسٹر ہاکنس نے ان کو بریلی کالج کی تدریس کے لیے ڈھائی سو روپے مشاہرہ کی - جو ۱۸۵۷ء سے پہلے وہ حیثیت رکھتا تھا جو اس وقت ہزار بارہ سو کی بھی نہیں - پیش کش کی، اور

---

(۱) Universal History of The World, ed. J.A. Hammerton, London, Vol. IV P. 2532-33

وعدہ کیا کہ تھوڑی مدت میں اس مشاہرہ میں اضافہ اور ترقی ہوجائے گی، انھوں نے عذر کیا کہ ریاست سے ان کو دس روپے ماہوار ملتے ہیں وہ بند جائیں گے، ہاکنس نے کہا کہ میں تو اس وظیفہ سے پچیس گنا پیش کرتا ہوں، اس کے مقابلہ میں اس حقیر رقم کی کیا حیثیت ہے؟ انھوں نے عذر کیا کہ میرے گھر میں بیری کا ایک درخت ہے، اس کی بیری بہت میٹھی اور مجھے مرغوب ہے، بریلی میں وہ بیری کھانے کو نہیں ملے گی، ظاہر بیں انگریز اب بھی ان کے دل کی بات کو نہیں پا سکا، اس نے کہا کہ رام پور سے بیری کے آنے کا انتظام ہوسکتا ہے، آپ بریلی میں گھر بیٹھے اپنے درخت کی بیری کھا سکتے ہیں، مولانا نے فرمایا کہ ایک بات یہ بھی ہے کہ میرے طالب علم جو رام پور میں درس لیتے ہیں ان کا درس بند ہوجائے گا اور میں ان کی خدمت سے محروم ہوجاؤں گا، انگریز کی منطق نے اب بھی ہار نہیں مانی، اس نے کہا کہ میں ان کے وظائف مقرر کرتا ہوں تاکہ وہ بریلی میں آپ سے اپنی تعلیم جاری رکھیں اور اپنی تکمیل کریں، آخر اس مسلمان عالم نے اپنی کمان کا آخری تیر چھوڑا جس کا انگریز کے پاس کوئی جواب نہ تھا، مولانا نے فرمایا کہ یہ سب صحیح ہے، لیکن تعلیم پر اجرت لینے کے متعلق میں قیامت میں اللہ کو کیا جواب دوں گا؟"(۱)

۳- حرکیت

تاریخ اسلام اور عالم اسلام کی علمی تحریک کی ایک خصوصیت وہ حرکیت تھی جو حصول علم، مطالعہ و تحقیق میں وسعت و اختصاص، حدیث صحیح، سند عالی، لسانی و لغوی جستجو و تحقیق اور پھر مختلف

---

(۱) ماخوذ از نزهة الخواطر ج ۷ ص ۳۲٤

(۲) ملاحظہ ہو علامہ ذہبی کی "تذکرۃ الحفاظ"، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی "السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي"، "رجال الفكر و الدعوة" حصہ اول میں عنوان "قرن اول و ثانی میں جمع و تدوین حدیث" اور "محدثین اور ان کی عالی ہمتی" (ص ۷۹-۸۷)

ملکوں میں احکام شرعیہ اور علوم دینیہ کی اشاعت کی راہ میں محنت و مشقت اور قطع مسافت کی شکل میں ظاہر ہوئی، تاریخ و تراجم کی کتابیں اس کی دلکش مثالوں اور حیرت انگیز نمونوں سے پُر ہیں، خصوصاً محدثین کے حالات اور حدیث کی جمع و تدوین کے سلسلے میں لکھی جانے والی کتابیں، (۲)

اس سلسلہ میں مشہور فلسفی مؤرخ ابن خلدون کے شہرۂ آفاق مقدمہ کا یہ اقتباس اس کی اہمیت اور علمائے اسلام کے طرز فکر کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے، ابن خلدون ''علم کی خاطر ترک وطن اور مشائخ زمانہ سے ملاقات تعلیم پر چار چاند لگاتی ہے'' کے عنوان کے ماتحت لکھتا ہے:

''اس کا سبب یہ ہے کہ انسان علوم واخلاق یا مذاہب وفضائل بھی تعلیم و تعلم کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، اور کبھی صحبت و دُو بدو کلام سے، لیکن جو چیز صحبت و تلقین سے حاصل ہوتی ہے وہ طبیعت میں پختہ طریقہ سے بیٹھتی ہے، اور دل میں زیادہ گھر کرتی ہے، اب جس قدر اساتذہ کی تعداد بڑھتی ہے، اسی قدر ملکات کا حصول بیشتر و راسخ ہوتا ہے، پھر تعلیمی اصطلاحات گوناگوں و مختلف ہیں، حتی کہ متعلم کو دھوکا لگتا ہے کہ یہ اصطلاحات علم کا جزو ہیں، اور جب وہ متعدد مشائخ سے ملاقات حاصل کرتا ہے اور ان کے رنگ برنگ طرق و اسالیب تعلیم سے واقف ہوتا ہے، تو اس کی آنکھیں کھلتی ہیں اور اب وہ اصطلاحات میں تمیز کرنے لگتا ہے، اور ان کو علم سے جدا جاننے لگتا ہے، وہ یہ سمجھ لیتا ہے

---

(۱) ترجمہ مقدمہ ابن خلدون از مولانا سعد حسن خاں یوسفی ص ۵۶۵ (طبع کراچی)

''اکتوبر ۱۹۸۵ء میں دنیا کے دو اہم علمی اداروں کی کونسل تحقیقات علوم اجتماعی (Social Science Research Council) اور علمی انجمنوں کی امریکی کونسل (American Council Of Learned Societies) نے مسلم معاشرے کے تقابلی مطالعہ کے لیے ایک جوائنٹ کمیٹی تشکیل کی، جس نے اپنی تحقیقات کے لیے ''اسلامی معاشرہ میں سفر کی اہمیت اور اس کے اثرات'' کو موضوع بحث کے طور پر اختیار کیا، اس کمیٹی کا بیان سوشل سائنس ریسرچ کونسل (Social Science Research Council) کے شمارہ نمبر (۴۰) مارچ ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا، جس میں اس نے مسلمانوں کے حصول علم کے لیے سفر سے غیر معمولی شغف اور اس کے فوائد و اثرات کی اہمیت کا اظہار کیا ہے، جوان علمی سفروں اور نقل و حرکت سے طالبین علم اور ماہرین فن کو ہر دور میں حاصل ہوتے رہے ہیں۔''

کہ یہ اصطلاحات محض تعلیم کے طرق و وسائل ہیں جو اساتذۂ روزگار نے اختیار کر لیے ہیں اور ان کو تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے، بس اس سے زائد اس کی کوئی حقیقت نہیں، غرض ان باتوں کے جاننے اور اصطلاحات میں فرق کرنے سے متعلم کے ملکات مصفی اور مستحکم ہو جاتے ہیں اور علم و ہدایت کے راستے اس پر کھل جاتے ہیں، لہٰذا انھیں فوائد و مصالح مذکورہ کے پیش نظر طلب علم میں مشائخ عظام کی خدمت میں حاضری و موجودگی لازمی ہے، اور اس راہ میں سفر اختیار کرنا لابدی۔"(۱)

(۴) عزیمت و جواں مردی

علمائے اسلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور سلطان جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنے، اسلامی حکومتوں اور معاشروں کے انحراف اور تخریبی سازشوں کے مقابلے پر سینہ سپر رہنے، وقت پڑنے پر جہاد و قتال، آزادیٔ وطن اور بیرونی طاقتوں اور اسلام دشمن حکومتوں سے مقابلے کی قیادت کی شکل میں اپنی عالی ہمتی اور جواں مردی کے لیے ممتاز رہے ہیں، چنانچہ جہاد و اجتہاد اور عصر اول سے آج تک کی تجدیدی و اصلاحی تحریکات کی تاریخ کا محقق اس کے طویل عرصے میں (جو تقریباً مسلسل ہے) اس کے ہر صفحے پر قیادت و مرکزیت کے مقام پر کسی نہ کسی عالم دین کو دیکھتا ہے جو اس انقلابی فکر و تہذیب کا منبع و مصدر اور ابتدا و انتہا ہے۔(۱)

تیرھویں چودھویں صدی ہجری اور انیسویں بیسویں صدی عیسوی میں رباط و مراکش سے لے کر ہندوستان تک جتنے ملکوں میں بیرونی قبضہ و اقتدار کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا گیا، اور آزادی اور استخلاص وطن کی جنگ لڑی گئی اس کی قیادت یا تو تمام تر علمائے دین

(۱) اس سلسلے میں مختصراً مصنف کی کتاب "تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک" کی نویں فصل بعنوان "اہل تصوف اور دینی جدوجہد" میں کچھ روشنی ڈالی گئی ہے، اور ان چند نمایاں شخصیتوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو بیک وقت عالم دین اور روحانی پیشوا تھے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۱۰ تا ۱۲۵

(۲) اس سلسلے میں الجزائر میں شیخ عبدالحمید بن بادیس، شیخ محمد بشیر الابراہیمی، اور ہندوستان میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا نام اختصاراً لیا جا سکتا ہے۔

کے ہاتھوں میں رہی یا وہ قیادت کی صفوں میں نمایاں وممتاز اور مؤثر و کار فرما رہے، اس تاریخی حقیقت کے جائزے اور اس کی نمایاں شخصیتوں کو پیش کرنے کے لیے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے جو ایک وسیع النظر، انصاف پسند اور جفاکش مؤرخ و مصنف کی منتظر ہے، اس سلسلے میں الجزائر اور برصغیر ہند میں خاص مماثلت ہے کہ دونوں جگہ مسلمانوں میں آزادی کی تحریک کی جدوجہد وقیادت خالصتاً نامور اور مسلم الثبوت علماء نے کی۔ (۲)

۵-علم نافع پر خصوصی توجہ اور زور

اسلام کی علمی تحریک کی پانچویں خصوصیت اس کا علم نافع پر زور دینا ہے، جو ہدایت کا حامل، نجات کا ضامن، آخرت میں مفید ہو، اور وہ ایسا علم ہے جس پر انسان کی سعادت و نجات موقوف ہے، اس کے ذریعہ سے وہ اپنے اور اس کائنات کے خالق و مالک اور اس دنیا کے چلانے والے کی ذات وصفات عالیہ کی معرفت صحیحہ حاصل کرتا ہے، اور اپنے اور اس کے درمیان ربط وتعلق کو سمجھتا ہے، اور اس کی رضامندی وناراضگی اور آخرت میں اپنی سعادت و شقاوت کے اسباب کو جانتا ہے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں اور گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے جو نجات وسعادت کے ضامن اور معرفت صحیحہ کے حامل علم سے محروم ہیں، اور ان کا سرمایۂ حیات وہ علم ہے جو اس راہ میں قطعاً مفید نہیں، بلکہ اکثر اوقات رہزن ثابت ہوتا ہے:

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِراً مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ﴾ (الروم:۷)

''یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو جانتے ہیں اور آخرت کی طرف سے غافل ہیں۔''

اور فرماتے ہیں:

﴿بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ، بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا، بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُوْنَ﴾ (سورة النمل:٦٦) ''بلکہ آخرت (کے بارے میں) ان کا علم منتہی ہو چکا ہے، بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں، بلکہ اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔''

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ أَعْمَالًا، اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعاً، أُولَئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْناً﴾(سورۃ الکہف:۱۰۳-۱۰۵)

''کہہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں، وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں، وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے سے انکار کر دیا، تو ان کے اعمال ضائع ہوگئے، اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔''

حدیث شریف میں دعا مانگی گئی ہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَايَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَايَخْشَعُ وَ مِنْ نَفْسٍ لَاتَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَايُسْتَجَابُ لَهَا" (۱) ''اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، ایسے دل سے جس میں تیرا ڈر نہ ہو، اور ایسے نفس سے جو آسودہ ہونا نہ جانتا ہو، اور ایسی دعوت سے جو قبولیت سے سرفراز نہ ہو۔''

جب علوم وفنون کام نہیں آتے، اور نجات دینے والا معمولی علم انسان کے کام آتا ہے

ہم یہ مقالہ ایک دلچسپ اور سبق آموز قصے پر ختم کرتے ہیں، جو علم نافع (جس کے ذریعے سلامتی ونجات حاصل ہوتی ہے) اور ان علوم کے درمیان فرق ظاہر کرتا ہے جن کے جاننے پر (ان کے منافع اور مصالح کے باوجود) نجات وسلامتی موقوف نہیں، علماء وادباء نے اکثر قصوں سے حکمت وموعظت کا کام لیا ہے، یہ قصہ اس طویل علمی بحث کے سامعین و قارئین کرام کا ذہنی بوجھ کچھ ہلکا کر دے گا اور ان کی نشاط طبع کا باعث ہوگا:

(۱) صحیح مسلم(۶۹۰۶)

"راوی صادق البیان کہتا ہے کہ ایک بار چند طلبہ تفریح کے لیے ایک کشتی پر سوار ہوئے، طبیعت موج پر تھی، وقت سہانا تھا، ہوا نشاط انگیز و کیف آور تھی، اور کام کچھ نہ تھا، یہ نو عمر طلبہ خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے، غیر تعلیم یافتہ ملاح ان کی دلچسپی کا اچھا ذریعہ اور فقرے بازی، مذاق و تفریح طبع کے لیے نہایت موزوں تھا۔

چنانچہ ایک تیز وطرار صاحبزادے نے اس سے مخاطب ہو کر کہا: "چچا میاں! آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں؟" ملاح نے جواب دیا: میاں! میں کچھ پڑھا لکھا نہیں۔

صاحبزادے نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا: ارے آپ نے سائنس نہیں پڑھی؟

ملاح نے کہا: میں نے اس کا نام بھی نہیں سنا۔

دوسرے صاحبزادے بولے: اقلیدس اور الجبرا تو آپ نے پڑھی ہوگی؟

ملاح نے کہا: حضور! یہ نام میرے لیے بالکل نئے ہیں۔

اب تیسرے صاحبزادے نے شوشہ چھوڑا: مگر آپ نے جغرافیہ اور تاریخ تو پڑھی ہی ہوگی؟

ملاح نے جواب دیا: سرکار! یہ شہر کے نام ہیں یا آدمی کے؟

ملاح کے اس جواب پر لڑکے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے اور انھوں نے قہقہہ لگایا، پھر انھوں نے پوچھا: چچا میاں! تمھاری عمر کیا ہوگی؟

ملاح نے بتایا: یہی کوئی تیس سال!

لڑکوں نے کہا: آپ نے اپنی آدھی عمر برباد کی، اور کچھ پڑھا لکھا نہیں۔

ملاح بیچارہ خفیف ہو کر رہ گیا، اور چپ سادھ لی۔

قدرت کا تماشا دیکھیے کہ کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آ گیا، موجیں منھ پھیلائے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں اور کشتی ہچکولے لے رہی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی تب ڈوبی، دریا کے سفر کا لڑکوں کا پہلا تجربہ تھا، ان کے اوسان خطا ہو گئے، چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اب جاہل ملاح کی باری آئی، اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا: "بھیا! تم نے

کون کون سے علم پڑھے ہیں؟

لڑکے اس بھولے بھالے جاہل ملاح کا مقصد نہیں سمجھ سکے، اور کالج یا مدرسے میں پڑھے ہوئے علوم کی لمبی فہرست گنانی شروع کر دی، اور جب بھاری بھرکم اور مرعوب کن نام گنا چکے تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا: ٹھیک ہے، یہ سب تو پڑھا، لیکن کیا پیرا کی بھی سیکھی ہے؟ اگر خدانخواستہ کشتی الٹ جائے تو کنارے کیسے پہنچ سکو گے؟

لڑکوں میں کوئی بھی پیرنا نہیں جانتا تھا، انھوں نے بہت افسوس کے ساتھ یہی جواب دیا:

''چچا جان! یہی ایک علم ہم سے رہ گیا، ہم اسے نہیں سیکھ سکے۔''

لڑکوں کا جواب سن کر ملاح زور سے ہنسا اور کہا: میاں! میں نے تو اپنی آدھی عمر کھوئی مگر تم نے پوری عمر ڈبوئی، اس لیے کہ اس طوفان میں تمہارا پڑھا لکھا کچھ کام نہ آئے گا، آج پیرا کی ہی تمھاری جان بچا سکتی ہے، اور وہ تم جانتے ہی نہیں۔''(۱)

---

(۱) ستمبر ۱۹۸۶ء میں الجزائر میں منعقد ہونے والے عالمی سیمینار (ملتقى الفكر الإسلامي) میں پڑھے گئے عربی مقالہ "دور الإسلام الثوري البناء في مجال العلوم الإنسانية" کا ترجمہ بقلم مولانا شمس تبریز خاں، یہ مقالہ علاحدہ رسالہ کی شکل میں شائع ہوا۔

ایک اہم مکتوب

صاحب المعالی شیخ حسن عبداللہ بن حسن، وزیر المعارف، قواہ اللّٰہ و أیّدہ بروح منہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے یقین ہے کہ آپ صحیح سلامت اپنے مستقر پر واپس آ چکے ہوں گے، [1] بخیر واپسی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں، ان بلاد مقدسہ کے حالات سے میرا تعلیق خاطر اور ان رجحانات کے سلسلے میں اضطراب جن سے اس ملک کا دینی وفکری اور اعتقادی مستقبل وابستہ ہے، باعث تعجب نہیں اور نہ کسی شرح کا محتاج ہے، کیونکہ یہ ملک عالم اسلام کا دھڑکتا ہوا دل ہے، اور یہاں کے مستقبل کے واقعات ورجحانات سے تمام اسلامی ممالک کا گہرا تعلق ہے، اس مملکت کا ہر قسم کی فکری کشمکش، نفسیاتی اضطراب، دعوت اسلامی کی ابدیت اور اس کی قائدانہ صلاحیت پر عدم اعتماد، اور اخلاقی انارکی سے بچا رہنا اہم ترین مقاصد میں سے ہے، اور یہ بات اس ملک کے ہر بہی خواہ کی توجہ تعلیم کی طرف لے جاتی ہے، کیونکہ تعلیم ہی کسی ملک کو نئے سانچے میں ڈھالتی اور وہی معاشرے کو آخری شکل دیتی ہے۔

مسلمانوں کے لیے فکر مند رہنے والے بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر میری کوئی ایک ہی دعا قبول ہونے والی ہوتی تو وہ ملک کے صاحب امر ونہی کے لیے کرتا، کیونکہ مسلمانوں کی خیر وصلاح اس کے خیر وصلاح پر موقوف ہے، اور میں کہتا ہوں کہ میری اگر کوئی دعا قبول ہونے والی ہوتی تو وہ میں وزیر تعلیم کے لیے کرتا اور اللہ سے ان کے لیے توفیق واستقامت اور نصرت کی دعا مانگتا، اور اگر میری زندگی کا آخری لمحہ ہوتا تو میں اسے اس وزارت کی خدمت وتعاون میں لگا دیتا۔

(۱) وزیر موصوف اس وقت یورپ کے سفر سے لوٹے تھے

میرا عقیدہ ہے کہ اگر کسی ملک کو برباد کرنے کے پیچھے ہزاروں طاقتیں، ادارے اور ذہانتیں لگ جائیں، مگر اس کی وزارت تعلیم صحت مند اقدار کی حامل اور اپنے فرض سے آگاہ ہو، اور اسے اپنے مخلص وذہین کارکنوں کا تعاون حاصل ہو تو وہ تخریبی قوتیں اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں، اور اگر اس کے برعکس ہزاروں افراد، ادارے اور صلاحیتیں کسی ملک کی تعمیر میں لگ جائیں مگر اس کی وزارت تعلیم ناکارہ اور نکمی ہو تو وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔

عالم اسلام کو آج صرف ایک ہی حقیقی معرکہ درپیش ہے، اور وہ ہے اسلامیت و مغربیت کا (اپنے وسیع ترین معنوں میں) معرکہ، اور اس عالمی کشمکش سے کم وبیش یہ ملک بھی متاثر ہوا ہے، اور صورت حال کی نزاکت اس کے عبوری مرحلہ میں ہونے سے اور بڑھ جاتی ہے، جب کہ وہ ناخواندگی سے (جو اس باصلاحیت قوم پر سابق حکومتوں کی بے توجہی کے سبب محیط تھی) عام اور وسیع تعلیم وثقافت کی طرف بڑھ رہا ہے، اور جس پر بے مثال سخاوت اور دریا دلی سے خرچ کیا جارہا ہے، اسی کے ساتھ وہ اس سادہ ومحدود زندگی سے جو قرون وسطی کی زندگی سے مشابہ تھی، اس تغیر پذیر زندگی کی طرف جس کی انتہا نامعلوم ہے، اور جمود وتعطل سے تلاش وتحقیق کی جانب رواں دواں ہے، ظاہر ہے کہ یہ مرحلہ قوموں اور ملکوں کی تاریخ کا نازک ترین مرحلہ ہوتا ہے، جو بڑے باریک اور حکیمانہ لائحۂ عمل، وسیع وعمیق تنقیدی نظر، مومن ومخلص معاونین، اور پختہ کار منصوبہ سازوں کے تعاون کا طالب ہوتا ہے، اور اس سلسلہ میں معمولی لغزش وکوتاہ نظری، ناقص منصوبہ بندی یا معلمین کے انتخاب یا بیرونی اساتذہ کے تقرر میں ذراسی بے احتیاطی اس ملک کو ایسے گڑھے میں گرا سکتی ہے جس کی کوئی تھاہ نہیں اور اس منزل تک پہنچا سکتی ہے جہاں سے واپسی ناممکن ہے۔

جناب کا وزارت تعلیم کی مرکزی جگہ پر ہونا اس ملک کو ان خطروں سے بچانے کی ضمانت تھی جو اس کے لیے ایک چیلنج ہیں، کیونکہ آپ اس جزیرہ میں ابھرنے والی عظیم تحریک دعوت واصلاح کی شاخ پُر ثمر سے تعلق رکھتے ہیں، اور ہر شریف انسان اپنے پیشروؤں کی میراث اور ان کی کوششوں کے سلسلہ میں غیرت مند ہوتا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی واضح ہے

کہ جس ملک میں بھی مادی یا سیکولر تعلیمی نظام رائج ہوجائے، تو وہ اپنے عالمی روحانی پیغام اور اپنے مقدسات وشعائر کی حفاظت نہیں کرسکتا، اس لیے ہمیں آپ کی ذات اور اس ملک کے تشخص کے لیے آپ کی غیرت وحمیت سے بڑی امیدیں ہیں، جس تشخص کے سبب اس ملک کو عالم اسلام اور تاریخ اسلام میں مرکزیت حاصل رہی، اور جس سے اس کو الگ رکھنے کا مطلب اس کی قیمت واہمیت کو ختم کرنا اور اس کے ساتھ سب سے بڑا ظلم کرنا ہے، میں بلاد مقدسہ سے اپنی دوری اور بھاری ذمہ داریوں کے باوجود آپ کو اس بڑے کام میں تعاون کا یقین دلاتا ہوں جسے آپ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے، اور جس کی اللہ آپ کو توفیق دی ہے، اور آپ کی کامیابی کے لیے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کے ہاتھ مضبوط کرے اور آپ کی زندگی میں برکت دے۔

اخیر میں ایک بار پھر دلی احترام واخلاص کا ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ [1]

---

(۱) حکومت سعودیہ عربیہ کے وزیر تعلیم اور وہاں کے مشہور خانوادۂ اصلاح ودعوت "آل الشیخ محمد بن عبد الوہاب" کے چشم وچراغ صاحب المعالی شیخ حسن عبداللہ بن حسن کے نام حضرت مولانا کا ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء میں لکھا گیا ایک خط، ماخوذ از "حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب: امیدوں اور اندیشوں کے درمیان" (ص ۵۹ تا ۶۳)۔